New era Magazine

اعتبار کا موسم

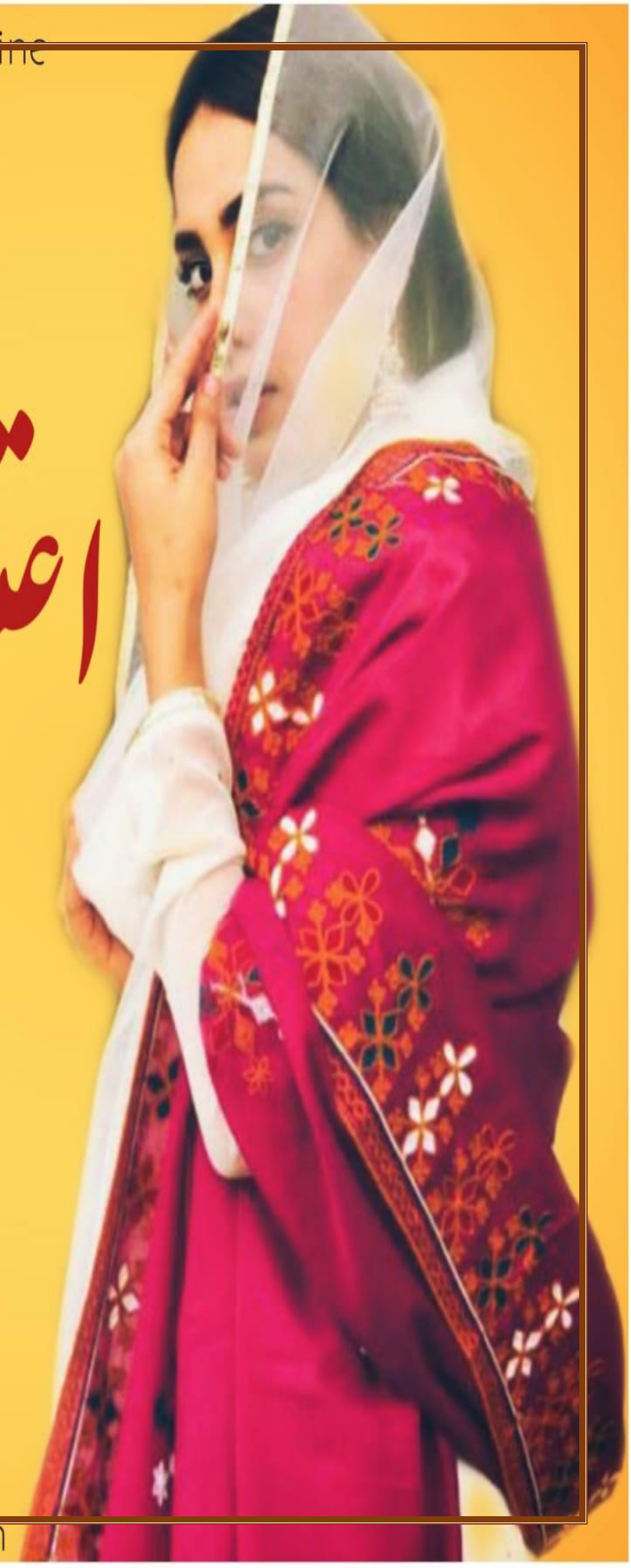

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

از فضہ بتول

www.neweramagazine.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اعتبار کا موسم

از فضہ بتول

ہماری ویب میں شایع ہونے والے ناولز کے تمام جملہ و حقوق بمعہ مصنفہ کے نام محفوظ ہیں۔ ہمیں اپنی ویب نیو ایرا میگزین (New Era Magazine) کیلئے لکھاریوں کی ضرورت ہے۔ اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، آرٹیکل، شاعری، پوسٹ کروانا چاہیں تو اردو میں ٹائپ کر کے مندرجہ ذیل ذرائع کا استعمال کرتے ہوئے ہمیں بھیج سکتے ہیں۔

(Neramag@gmail.com)

(انشااللہ آپ کی تحریر ایک ہفتے کے اندر اندر ویب پر پوسٹ کر دی جائے گی۔ مزید تفصیلات کیلئے اوپر دیئے گئے رابطے کے ذرائع کا استعمال کر سکتے ہیں۔

شکریہ ادارہ: نیو ایرا میگزین

☆☆☆☆☆

محبت ایک بندھن ہے۔۔

احساس کا۔۔۔

اعتبار کا۔۔۔۔

وہ ایک قبر نما غار تھی۔۔ تنگ و تاریک۔۔۔ چاروں اور کافور کی مہک بھری ہوئی تھی اور اس محدود سی فضا میں پھیلی یہ موت کی خوشبو اسکی سانسوں پہ گراں گزر رہی تھی۔ اسکا دم گھٹ رہا تھا۔ اندھیرا اتنا گہرا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجائی نہ دے رہا تھا اور وہ اس لامتناہی اندھیرے میں اندھوں کی طرح ادھر سے ادھر ٹھوکریں کھاتی پھر رہی تھی۔ اسکے دوڑتے ہوئے قدم اس غار کے پتھریلے اور ناہموار فرش سے ٹکرا کر گونج پیدا کر رہے تھے۔۔ وہ قدم قدم پر لڑکھڑا رہی تھی۔۔ کافور کی بڑھتی ہوئی مہک میں اسکا سانس رک رہا تھا وہ جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہتی تھی مگر نکاسی کی کوئی راہ سجائی نہ دیتی تھی۔ دفعتاً وہ بھاگتے بھاگتے رک گئی۔۔ اسکا تنفس پھول رہا تھا۔۔ حلق میں کانٹے اگ آئے تھے۔ موت کی خوشبو سے ناک کے نتھنوں میں جلن محسوس ہو رہی تھی۔

پانی۔۔۔ وہ کراہی۔۔ اسکے حلق میں جلن ہونے لگی۔ وہ بے اختیار کھانسنے لگی۔

پانی۔۔ کھانستے کھانستے وہ اپنی گردن کو دونوں ہاتھوں سے جکڑ کر کراہی تھی۔

حمنیٰ۔۔۔ حمنیٰ۔۔ کسی نے زور سے اس کا شانا جھنجوڑا تو وہ ہڑبڑا کر بیدار ہوئی۔ لاشعوری کیفیت سے شعور میں واپس آنے میں محض ایک لمحہ لگا تھا۔ اس نے دیکھا شامین اس کے اوپر

جھکی اس سے تشویش ناک نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

تم ٹھیک ہو ناں؟اس نے اس کی پسینے سے تر پیشانی کو ہولے سے چھوا۔ حمنیٰ نے کچھ کہنا چاہا مگر شدت پیاس کے باعث محض ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گئی۔

پانی دوں؟ شامین نے اس کے خشک ہونٹوں کا مدعا جان کر تصدیق چاہی۔اس نے ہولے سے اثبات میں سر ہلایا۔ شامین نے بیڈ سائڈ ٹیبل پر پڑے جگ میں سے پانی گلاس میں انڈیل کر اسے سہارا دے کر آدھے دھڑ سے اٹھایا اور گلاس اس کے لبوں سے لگا دیا۔وہ کسی صدیوں کے پیاسے کی طرح غٹا غٹ سارا گلاس چڑھا گیا اور پھر سے سر تکیے پر رکھ کر یوں ہانپنے لگی گویا کوئی طویل مسافت طے کر کے آئی ہو۔ شامین نے خالی گلاس دوبارہ سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور اس کے قریب ہی بیٹھ گئی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کیا ہوا؟ پھر کوئی برا خواب دیکھ لیا؟اس نے نرمی سے اسکے بکھرے بال سہلائے۔

ہاں بہت برا۔۔میں نے دیکھا جیسے میں کسی قبر میں ہوں اور میری سانس گھٹ رہی ہے۔۔وہ جواباً مدھم اور اذیت بھرے لہجے میں بولی۔ شامین نے ٹھنڈی سانس بھری۔۔

دو ہفتے بیت گئے حمنیٰ ! مگر تم اب تک اس حادثے کے اثر سے باہر نہیں نکل سکی۔۔

حادثات کے اثر سے باہر نکلنا اتنا آسان تو نہیں ہوتا شامین۔وہ بجھے بجھے انداز میں بولی۔

کوشش تو کی جا سکتی ہے ناں۔۔تم سارا دن اس کمرے میں بند رہتی ہو۔الٹی سیدھی سوچوں میں غلطاں رہتی ہو۔ایسی صورتحال میں برے خواب نہیں آئیں گے تو اور کیا ہو گا۔۔میں نے

تمہیں کل بھی کہا تھا کہ اس کمرے سے باہر نکلو۔۔تنہائی غم کو بڑھا دیتی ہے حمنیٰ۔اس طرح زندگی کیسے چلے گی آخر۔۔وہ دکھ بھری اکتاہٹ سے کہتی گئی۔۔

کوشش تو کر رہی ہوں میں شامین۔۔۔وہ تھکے تھکے انداز میں کہتی ہوئی اٹھ بیٹھی۔اس کے ہلکے خمدار سیاہ بال الجھے ہوئے تھے اور آنکھوں کی کوریج متورم تھیں۔

کیا خاک کوشش کر رہی ہو۔۔اس کمرے سے باہر نکلو گی،دنیا کو فیس کرو گی تو زندگی آگے بڑھے گی۔دکھ آپس میں بانٹے جاتے ہیں حمنیٰ۔۔تم نے کیوں خود کو یوں ائی سولیٹ کر لیا ہے۔۔

مجھے لوگوں سے وحشت ہوتی ہے شامین۔۔جو بھی آتا ہے تعزیت کی آڑ میں میرے زخم کرید کر چلا جاتا ہے۔نہ جانے میری صورت دیکھتے ہی سب کی ہمدردی اتنی کیوں جاگ جاتی ہے۔لوس تو میرا اور تمہارا برابر کا ہوا ہے تو پھر مجھے ہی اتنی شدومد سے 'بیچاری حمنیٰ' کا لقب کیوں دیا جاتا ہے؟وہ دکھ اور اکتاہٹ کی انتہا پر تھی۔

تم دنیا پے مٹی ڈالو۔۔میں تو تمہاری بہن ہوں نا۔۔ایٹ لیسٹ ہم دونوں تو ایک دوسرے کا غم بانٹ سکتی ہیں ناں۔۔شامین نے محبت بھرے لہجے میں کہا تو اس نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

چلو اٹھو شاباش۔۔اپنا حلیہ درست کر کے ڈرائنگ روم میں آجاؤ۔۔تمہاری پسندیدہ مکس سبزی بنائی ہے میں نے۔۔مل کر کھانا کھاتے ہیں ہری اپ۔۔شامین نے ماحول پہ چھائے جمود کو توڑنے کے خاطر اپنے لہجے کو ہلکا پھلکا بنا کر ہدایت جھاڑی اور کمرے سے چلی گئی۔حمنیٰ نے

ایک گہری سانس بھری اور بستر سے اتر کر واش روم کی جانب بڑھ گئی۔

مے آئی کم ان سر؟ اردلی نے اسکے لیے دروازہ کھولا تو اس نے ذرا سا اندر جھانک کر اجازت طلب کی۔ آفس کے بیچوں بیچ بڑی میز کے اس پار بیٹھ کر کوئی کاغذات دیکھتے بریگیڈیئر کاشان سر اٹھا کر متوجہ ہوئے۔

یس یو مے میجر علی۔ انکا لہجہ کڑک دار تھا۔۔۔ وہ اندر داخل ہوا۔

سر! وہ سلیوٹ مار کر تن کے کھڑا ہو گیا۔

ہیو آسیٹ میجر احمد۔ بریگڈیئر کاشان نے کرسی کی جانب اشارہ کیا۔۔ وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ویلکم ٹو کھاریاں میجر۔۔۔

تھینک یو سر۔۔۔

آپ سرکاری رہائش اویل نہیں کر رہے؟

نہیں سر۔۔۔ میں اکیلا ہوں اسلیے میس میں ہی کمفرٹیبل رہوں گا۔

رائٹ۔ انہوں نے سر ہلایا۔ میجر علی جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ پنجاب بھی دہشت گردوں سے خالی نہیں رہ سکا۔ یکے بعد دیگرے پنجاب کے مختلف شہروں میں دہشتگردی کے کافی واقعات رونما ہو چکے ہیں۔ جن کے تدارک کے لیے صوبے بھر میں پے آپریشن ردالفساد میں

تیزی آگئی ہے۔ان حالات میں آپکو مری سے یہاں ٹرانسفر کرنے کی وجہ آپکا پاسٹ ریکارڈ ہے۔اس سے قبل آپکو محاذ پر جنگ لڑنے کا تجربہ ہے لیکن ملک کے اندر چھپے دشمنوں کو ڈھونڈ نکالنا جنگ کی ایک بالکل الگ قسم ہے۔۔

ملک کی لیے کسی بھی محاذ پر لڑنا میرے لیے اعزاز کی بات ہے سر۔۔میجر علی کرسی پر بھی تن کر بیٹھا ہوا تھا اور اسکی آنکھوں کی گردش کرتی پتلیوں کے علاوہ اسکا باقی جسم بالکل ساکت تھا۔۔

آپریشن ردالفساد میں آپ کو اپنے ملک کے اندر چھپے دشمنوں کو ڈھونڈ کر نیست ونابود کرنا ہے۔آپ کی کمان میں دس جوان ہونگے ان کے ناموں کی لسٹ یہ ہے۔انہوں نے ایک پیپر اس کی طرف کھسکایا۔آپ کے ٹارگٹس کیا کیا اور کہاں کہاں ہوں گے اس پے آپ کو کرنل محمود بریفنگ دینگے۔وش یو گڈ لک۔اب آپ جا سکتے ہیں۔بات کے اختتام پر بریگیڈیئر کا شان کے چہرے پہ فارمل سی مسکراہٹ ابھری تھی۔علی پیپر تھام کر اٹھ کھڑا ہوا۔

تھینک یو سر۔اس نے ایڑیاں بجائیں اور پلٹ کر آفس سے باہر نکل گیا۔

دس سال قبل۔۔

زندگی میں بسا اوقات کچھ ایسے واقعات ہوتے ہیں کہ چند لمحوں کے لئے تو انسان کی سوچنے اور سمجھنے کی قوت ہی سلب ہو کر رہ جاتی ہے۔علی مرتضیٰ کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا تھا۔وہ زندہ تو تھا مگر زندگی کا احساس مفقود ہو کر رہ گیا تھا۔

ساری دنیا سمٹ کر بس ایک جملے میں مقید ہو گئی تھی۔وہ ایک جملہ جو کسی زہر کی طرح اسکی

سماعتوں میں اتارا گیا تھا۔اور یہ زہر اتارنے والی ہستی بھی کوئی غیر نہیں بلکہ زوبار یہ ملک تھی۔۔۔علی کی رِیہ۔۔اسکی زندگی کا محور۔۔۔۔اسکی اولین چاہت۔۔۔اسکا جنون۔۔اسکا عشق۔۔

وہ اگر دن کو رات کہتی تو علی کو آفتاب کی روشنی بجھتی ہوئی نظر آنے لگتی اور اگر رات کو دن کہتی تو اسے ہر سو چمکیلی دھوپ پھیلی ہوئی محسوس ہوتی۔وہ مسکراتی تو علی مرتضی کی زندگی مسکرا اٹھتی۔۔اور اگر اس کی نیلی کانچ سے آنکھیں کسی بات پر بھیگ جاتیں تو اس کے دل کی دنیا کو اتھل تھل ہو جاتی۔وہ جب اپنے مرمر سے تراشے پاؤں زمین پر اتارتی تو علی مرتضیٰ کا جی چاہتا وہ اپنی ہتھیلیاں اس کی راہ میں بچھادے۔۔۔جب وہ بولتی تو علی سراپا سماعت بن جاتا۔۔۔۔

NEW ERA MAGAZINE
Stories|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ زوبار یہ ملک ایک لمحے میں اس کی زندگی کو ویران کر کے چلی گئی تھی۔۔اور وہ کنگ سا کھڑا رہ گیا تھا۔اپنی زندگی کو روک لینے کے لئے بھی اس کی منجمند زبان نہ ہل سکی تھی۔وہ اسے اپنی زندگی سے مکمل طور پر الگ کر کے کب کی جا چکی تھی مگر وہ اب تک اس ایک جملے کی بازگشت سن رہا تھا۔۔وہ ایک جملہ جس نے اس کی چوبیس سالہ زندگی کے ایک ایک لمحے کو بیکار کر ڈالا تھا۔۔اس کی زندگی کو رائیگاں بنا دیا تھا۔۔اس کا ذہن یہ تسلیم کرنے سے انکاری تھا کہ اس کی رِیہ اسے یوں اپنی زندگی سے نکال دینے کا فیصلہ کرے گی محض اپنے پر سکون مستقبل کے حصول کے لیے۔۔وہ علی کے دل پر پاؤں رکھ کر کتنے سکون سے آگے بڑھ گئی تھی اور ایک لمحے کو بھی اسے یہ خیال نہ آیا تھا کہ اس کے 'اسیر' پہ کیا بیتے گی۔

وہ جیسے اسے کسی سحر میں قید کر کے چلی گئی تھی۔وہ اس طلسم کو توڑ کر آگے بڑھ جانا چاہتا تھا مگر گردن میں اٹھتے شدت کے درد نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہر منظر کو دھندلا کر رکھ دیا اور یہ دھندلاہٹ دھیرے دھیرے اندھیرے میں بدل گئی تھی۔گہرا اندھیرا۔۔۔گہرا۔۔۔اور گہرا۔۔۔اس کا نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا۔

حمنیٰ بی بی! آپکو بڑی بی بی ڈرائنگ روم میں بلا رہی ہیں۔وہ اپنے کمرے کی کھڑکی کے قریب کھڑی لان پہ نظریں جمائے ہوئے تھی جب ملازمہ دستک دے کر اندر آئی اس نے پلٹ کر دیکھا۔

کوئی مہمان آئے ہیں کیا؟اس نے دریافت کیا۔

جی بی بی جی بیگم اشفاق آئی ہیں۔ملازمہ نے جواب دیا۔

بیگم اشفاق کون؟

صاحب کے کسی دوست کی والدہ ہیں۔ملازمہ نے اسے آگاہ کیا۔

اچھا ٹھیک ہے تم جاؤ۔اس کے کہنے پر ملازمہ مودبانہ انداز میں سر جھکائے چلی گئی۔وہ سست قدموں سے چلتی آئینے کے سامنے آرکی۔شامین کے سختی سے تنبیہ کرنے پر اس نے آج ہی صبح نہا دھو کر اپنا حلیہ قدرے بہتر بنایا تھا۔ورنہ گزشتہ کئی روز سے تو وہ ملگجا سا حلیہ بنائے دن رات اس کمرے میں پڑی رہتی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اس نے آئینے میں دیکھتے ہوئے اپنے بال صحیح کیے اور سر پر دوپٹہ اوڑھ کر کمرے سے باہر نکل آئی۔زینے طے کر کے وہ نچلی منزل پر آئی اور بائیں بازو والی راہداری سے گزر کر شاندار سے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔جہاں شامین ایک ادھیڑ عمر خاتون سے محو گفتگو تھی۔اس کی آمد پر وہ دونوں اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔

ارے آؤ حمنیٰ!آنٹی یہ میری چھوٹی بہن حمنیٰ ہے۔اور حمنیٰ یہ روبی آنٹی ہے زوار کے دوست علی کی والدہ۔شامین نے تعارف کروایا۔وہ آگے بڑھی۔ادھیر عمر خاتون بھی اپنی نشست سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

السلام علیکم آنٹی!وہ مدھم آواز میں بولی۔

وعلیکم السلام بیٹا کیسی ہو آپ؟انہوں نے والہانہ انداز میں اسے خود سے لگایا۔

آئم فائن۔آپ کیسی ہیں؟اس نے بھی چہرے پہ فارمل سی مسکراہٹ سجالی۔

اللہ کا کرم ہے بیٹا۔۔ادھر میرے پاس ہی بیٹھو۔ادھیڑ عمر خاتون نجانے کیوں اس پر اس قدر قربان ہوئی جارہی تھیں۔بہر حال وہ ان کے برابر ہی بیٹھ گئی۔اسی لمحے ملازمہ پُر تکلف سی چائے کے لوازمات سے سجی ٹرالی گھسیٹتی ہوئی اندر آئی۔

آنٹی علی کہاں ہوتا ہے آج کل؟آیا ہی نہیں بڑے دنوں سے۔۔شامین نے خاتون سے پوچھا۔

اس کی کھاریاں ٹرانسفر ہو گئی ہے۔خاتون نے بتایا۔۔ملازمہ ان سب کو چائے سرو کر رہی تھی۔

اچھا کب؟ شامین نے چائے کا کپ تھامتے ہوئے پوچھا۔

ایک ہفتہ ہی ہوا ہے۔

اچھا! ویسے آنٹی میں تو کہتی ہوں اب علی کی بھی شادی کر ہی دیں۔

میں تو کب سے چاہتی ہوں بیٹا مگر وہ مانے تب ناں۔۔

آپ ماں ہیں آنٹی ماؤں کے پاس تو بڑے ہتھیار ہوتے ہیں اولاد کو ایموشنلی بلیک میل کرنے کے۔۔شامین مسکرائی۔

نہیں اب میں اسے منا ہی لوں گی۔۔خاتون مبہم سا مسکرائیں۔

اچھا آنٹی یہ کیک لیجئے ناں۔شامین کو بھی مہمان داری کے تقاضے یاد آئے۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ارے نہیں بیٹا! تم نے بلاوجہ اتنا تکلف کر دیا۔میں تو تعزیت کرنے آئی تھی۔روبی آنٹی نے کہا تو حمنیٰ کو گھبراہٹ نے آگھیرا۔ایک بار پھر وہی تعزیتی جملے۔۔۔۔

آپ کے والدین کی وفات آپ لوگوں کے لئے کس سانحے سے کم نہیں ہے اور خاص طور پر اس بچی کے لئے۔انہوں نے حمنیٰ کی طرف دیکھ کر ٹھنڈی سانس بھری۔اور چائے کا پہلا ہی گھونٹ حمنیٰ کے حلق میں پھنسنے لگا۔ملازمہ چائے سرو کر کے کمرے سے جا چکی تھی۔

بس آنٹی! جو اللہ کو منظور۔شامین نے ٹھنڈی سانس بھری۔کچھ دیر تک کمرے کی فضا ساکت ہی رہی تھی۔حمنیٰ عادتاً ہاتھ میں پکڑے کپ کے کنارے پہ شہادت کی انگلی پھیر رہی تھی۔

آپ کیا کرتی ہو بیٹا؟چند ثانیے بعد روبی آنٹی نے اسے مخاطب کیا۔

ایم ایس سی کیمسٹری کے ایگزامز دے چکی ہوں۔اس نے جواباً کہا۔

یہ فائنل ایگزامز کے بعد ہی تو میرے پاس رہنے کے لئے آئی تھی اور جس روز یہ ادھر پہنچی اسی دن امی ابو کا ایکسیڈنٹ ہو گیا۔شامین انہیں تفصیل بتاتے بتاتے اداس ہو گئی۔حمنیٰ کو بھی وہ بھیانک دن یاد آ گیا۔

بس بیٹا ہونی کو کوئی نہیں ٹال سکتا۔روبی آنٹی نے دلاسہ دینے کے سے انداز میں کہا۔جنازہ لاہور میں ہی کیا تھا؟

جی آنٹی۔

رشتے دار سب لاہور میں ہی ہوتے ہیں آپ کے؟

آنٹی ابو تو اکلوتے تھے امی کے بس ایک ہی بھائی ہیں وہ اپنی فیملی کے ساتھ اسٹیٹس میں سیٹلڈ ہیں۔باقی سب رشتے دار دور پار کے ہی ہیں۔شامین نے بتایا۔

اچھا اچھا۔۔۔تو پھر حمنیٰ اب آپ کے پاس ہی رہیں گی؟روبی آنٹی نے اس کی طرف کریدتی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے شامین سے پوچھا۔

جی انٹی!جب تک اس کی شادی نہیں ہو جاتی تب تک تو میرے پاس ہی رہے گی۔شامین کے جواب پہ آنٹی سر ہلا کر بڑے غور سے حمنیٰ کو دیکھنے لگیں۔اسے الجھن سی محسوس ہونے لگی۔

کوئی منگنی وغیرہ؟روبی آنٹی نے قصداً جملہ ادھورا چھوڑا۔

نہیں آنٹی ابھی تو حمنیٰ زیر تعلیم تھی۔

لیکن آپ کی شادی تو کافی کم عمری میں ہو گئی تھی۔

جی آنٹی! مجھے تو پڑھنے کا اتنا شوق ہی نہیں تھا۔ مر مر کے ایف ایس اے پاس کیا تو زوار کا رشتہ آ گیا تھا شادی ہو گئی۔۔ لیکن حمنیٰ اسٹڈیز میں ہمیشہ سے اچھی رہی ہے۔ اس لئے امی ابو کا ارادہ یہی تھا کہ یہ ماسٹرز کر لے پھر ہی اس کی شادی کا سوچیں گے۔ شامین نے تفصیل بتائی۔

ہوں۔۔۔ آنٹی نے پر سوچ انداز ہنکارا بھرا۔

ماسٹرز کس یونیورسٹی سے کر رہی ہو بیٹا آپ؟ انہوں نے اس سے پوچھا۔

پنجاب یونیورسٹی سے۔ اس نے جواب دیا۔

اچھا اچھا۔ انہوں نے سر ہلایا۔ اسی لمحے اذان عصر کی آوازیں بلند ہوئیں تو حمنیٰ نے دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کیا اور نماز پڑھنے کا کہہ کر اٹھ کر ڈرائنگ روم سے نکل گئی۔

زوار کی سالی مجھے کافی پسند آئی ہے۔ بیگم اشفاق اس وقت اپنی بڑی بہو نائلہ کے ساتھ بیٹھی تھیں۔

کس سلسلے میں ممی؟ نائلہ کی توجہ اس وقت اپنے موبائل کی جانب تھی۔

علی کے لیے اور کس لیے۔۔۔

رئیلی۔۔۔ بٹ علی کو کون منائے گا؟ نائلہ نے سر اٹھا کر انکی طرف دیکھا۔

علی سے کون پوچھ رہا ہے۔۔ان کے لہجے میں لاپرواہی تھی۔

کیا مطلب؟

مطلب یہ کہ اگر علی سے پوچھا تو وہ ہمیشہ کی طرح انکار ہی کرے گا۔اس لیے اب کی بار میں اس سے پوچھے بغیر ہی رشتہ طے کر دوں گی۔ان کا لہجہ اٹل سا تھا۔نائلہ نے الجھن آمیز انداز میں اپنی ساس کی طرف دیکھا۔

مگر ممی! شادی تو علی نہیں کرنی ہے نا۔آپ بالا ہی بالا اس کا رشتہ طے کر بھی دینگی پھر بھی اگر وہ ہی نہ مانا نکاح پر تو پھر آپ کی کتنی بدنامی ہو گی۔اس لئے میرا مشورہ ہے کہ اس سے پوچھ لیں پہلے۔اس نے سبھاؤ سے انہیں سمجھانا چاہا۔

بس بس مجھے زیادہ مشورے مت دو۔وہ میری اولاد ہے میں جانتی ہوا سے کیسے مجبور کیا جا سکتا ہے اور میں اب کی بار اسے مجبور کر لوں گی۔آخر کب تک میرا بچہ تنہائی کا عذاب کاٹتا رہے۔۔

ممی اگر پریشر میں آکر اس نے شادی کر بھی لی تو کیا وہ اپنی بیوی کو کبھی خوش رکھ سکے گا؟آپ کیوں بلاوجہ ایک معصوم لڑکی کی زندگی برباد کرنا چاہتی ہیں۔نائلہ کو اپنی ساس کی خود غرضی کچھ پسند نہ آئی تھی۔

شادی کے بعد سب ٹھیک ہو جاتا ہے اور ویسے بھی زوار کی سالی کا کوئی مضبوط فیملی بیک گراؤنڈ نہیں ماں باپ مر گئے ہیں بہن بہنوئی کب تک اسکا بوجھ سہاریں گے۔ایک بار شادی ہو جائے پھر وہ علی کے در پہ ہی پڑی رہے گی تاعمر کیونکہ اسکے پاس واپس پلٹنے کا کوئی ٹھکانہ ہی نہیں۔وہ خود غرضی کی انتہا پر تھیں۔

مجھے تو یہ سب ٹھیک نہیں لگ رہا۔آپ جانتی ہیں کہ علی آج تک زوباریہ کو نہیں بھولا۔

جہنم میں جائے وہ چڑیل۔اسی کی وجہ سے تو میرے بچے کی زندگی کے اتنے سال برباد ہو گئے۔اب میں مزید برباد نہیں ہونے دوں گی بس اور تم اعتراضات مت اٹھاؤ میرا فیصلہ اٹل ہے۔میں آج ہی زوار سے بات کرتی ہوں۔وہ قطعیت سے کہہ کر اٹھ کے کمرے سے چلی گئیں۔نائلہ برا سا منہ بنا کر رہ گئی۔

رات کا کھانا اس نے اپنے کمرے میں ہی کھایا تھا اور پھر عشاء کی نماز پڑھ کر سونے کی غرض سے بستر پہ لیٹ گئی۔لیکن کافی دیر تک کروٹیں بدلنے کے بعد بھی نیند تو نہ آئی البتہ سر شدت سے دکھنے لگا۔وہ اکتا کر اٹھ بیٹھی اور لیمپ کی روشنی جلا کر گھڑی پہ نظر ڈالی۔رات کے بارہ بجنے کو آئے تھے۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اسے شدت سے امی کی یاد ستانے لگی۔جب کبھی وہ پڑھتے پڑھتے تھک جایا کرتی تھی اور اسکا سر شدت سے دکھنے لگتا تھا تو وہ اسکے سر میں خوب اچھی طرح تیل کی مالش کیا کرتی تھیں اور وہ انکے نرم ہاتھوں کے لمس سے سکون محسوس کرتی انکی گود میں سر رکھے ہیں گیری نیند میں سو جاتی تھی۔۔۔مگر اب تو محض یادیں ہی باقی بچی تھیں۔وہ مہربان لمس تو منوں مٹی تلے جا سویا تھا۔۔وہ بجھے دل کے ساتھ بستر سے اتری پاؤں میں چپلیں ڈالیں اور کمرے سے باہر آئی۔چائے کی طلب محسوس ہو رہی تھی سو وہ نچلی منزل کو جانے والا زینہ طے کر کے کچن کی جانب بڑھی مگر راہ میں شامین اور زوار کے کمرے کے سامنے سے گزرتے ہوئے اندر سے آتی

آوازوں میں اپنا نام سن کر بے اختیار رک گئی۔

حمنیٰ نہیں مانے گی۔یہ شامین کی آواز تھی۔

کیوں نہیں مانے گی وہ؟یہ زوار بھائی تھے۔وہ متجسس سی وہیں کھڑی رہی۔

آپ خود سوچیں کتنا اکورڈ لگے گا۔۔۔

کیا اکورڈ لگے گا تم کہنا کیا چاہ رہی ہو؟زوار بھائی کی آواز میں جھنجھلاہٹ تھی۔

امی ابو کی ڈیتھ کو محض سولہ دن گزرے ہیں زوار۔۔ابھی ہم حمنیٰ کی شادی کے متعلق کیسے سوچ سکتے ہیں۔لوگ کیا کہیں گے۔۔۔

اوشٹ اپ! تمہیں لوگوں کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔روبی آنٹی نے مجھے صاف طور پر کہا ہے کہ وہ کوئی دھوم دھڑکا نہیں چاہتی۔بس سادگی سے نکاح اور رخصتی ہو گی۔زوار بھائی کے الفاظ پہ اسے یاد آیا کہ کل روبی آنٹی کے کسی بیٹے کا تذکرہ بھی ہوا تھا جو غالباً شادی کے نام سے بھی چڑتا تھا۔

لیکن میں جانتی ہوں کہ حمنیٰ کسی صورت بھی نہیں مانے گی۔

اس کو منانا تمہارا کام ہے۔میں تو روبی آنٹی کو مثبت جواب دے چکا ہوں۔

لیکن زوار آخر اتنی جلدی بھی کیا ہے۔آپ روبی آنٹی کو کہہ دیں گے امی ابو کے چالیسویں تک انتظار کر لیں۔ایسی بھی کیا مصیبت آ گئی ہے۔شامین کے لہجے میں جھنجلاہٹ تھی۔

عقل کی اندھی! تمہیں ہزاروں بار بتایا ہے کہ ان کی دس دن بعد کی فلائٹ ہے نوروے

کی۔وہ اتنا ویٹ نہیں کر سکتیں۔سب کچھ جانتے ہوئے بھی تم نے اپنی جہالت کا ثبوت لازمی دینا ہوتا ہے۔زوار بھائی انتہائی نامناسب الفاظ و لہجہ استعمال کر رہے تھے اور ان کا یہ انداز کم از کم حمنیٰ کے لیے بالکل نیا تھا۔عام طور پر زوار بھائی بہت ہی بااخلاق اور نرم گفتار انسان نظر آتے تھے۔

تو پھر یہ کوئی دنیا کا آخری رشتہ تو نہیں ہے۔آپ انہیں انکار کر دیں۔حمنیٰ کے لیے کوئی اور پرپوزل آجائے گا۔شامین کا لہجہ نارمل سا تھا۔

میں روبی آنٹی کو اس جمعے کی نکاح کی تاریخ دے چکا ہوں۔اینڈ لیسن شامین یہ میرا گھر ہے کوئی ایدھی سینٹر نہیں جہاں یتیم مسکین لوگ پناہ گزیر رہیں۔تمہاری بہن کو اتنے دنوں تک برداشت کیا یہ میرا تم دونوں پر احسان ہے۔لہذا اب مزید میری برداشت کو مت آزماؤ۔زوار بھائی جیسے پھٹ پڑے تھے اور کمرے کے باہر کھڑی حمنیٰ کے دل میں اندر کہیں بہت سا درد اترنے لگا تھا۔

یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں زوار؟شامین کی آواز میں حیرت و دکھ کی ملی جلی کیفیات جھلک رہی تھیں۔

بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں۔۔میں نے تمہاری بہن کا ٹھیکہ نہیں لے رکھا۔۔اگر عزت سے اس کو رخصت کرنا چاہتی ہو تو مزید اعتراضات اٹھانے کے بجائے اپنی بہن کو اس رشتے کے متعلق بتا دو اور اگر وہ انکار کرنے کی کوشش کرے تو اسے صاف صاف بتا دینا کہ میرے گھر میں اس کے لیے اب کوئی جگہ نہیں ہے اور اگر اسے شادی نہیں کرنی تو شوق سے لاہور واپس چلی

جائے۔اور اگر تمہارے دل میں بہن کے لیے بہت ہمدردی جاگنے لگے تو تم بھی بیشک اسی کے ساتھ اس گھر سے دفع ہو جانا۔۔انڈر اسٹینڈ!!زوار بھائی وغصے سے دھاڑ رہے تھے۔

وہ دکھی دل کے ساتھ وہاں سے پلٹ کر شکستہ قدموں سے زینہ طے کر کے آپ نے عارضی کمرے میں آگئی۔امی ابو کے جاتے ہی اس پہ جیسے زمین تنگ ہونے لگی تھی۔اور تو اور شامین کی زندگی بھی اس کی وجہ سے تلخی کا شکار ہو رہی تھی۔وہ ساری رات اس نے سوچتے ہوئے گزار دی اور پھر صبح کے قریب اس نے اپنے دل میں مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ وہ زوار بھائی کے فیصلے پہ سر تسلیم خم کر دے گی۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہاں بھی اپنے کمرے میں پہنچ کر بیٹھ بھی نہ پایا تھا کہ موبائل فون زور وشور سے بجنے لگا۔اس نے گہری سانس بھرتے ہوئے موبائل جیب سے نکال کر نگاہوں کے سامنے کیا۔امی کی کال آرہی تھی۔اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ہونٹ بھینچ کر اس نے سخت آئے ہوئے انداز میں کال ریسیو کر کے موبائل کان سے لگایا۔

ہیلو۔۔۔۔

ہیلو علی! کیسا ہے میرا بیٹا؟دوسری جانب سے امی کی محبتوں سے چور آواز سنائی دی۔

ٹھیک ہوں آپ نے کیسے فون کیا؟اس کا لہجہ اکھڑا اکھڑا سا تھا۔

ماں کا حال نہیں پوچھے گا علی؟امی کی آواز میں مایوسی تھی۔

ظاہر سی بات ہے کہ ٹھیک ہی ہیں آپ تبھی کال کر رہی ہیں۔وہ موبائل کان سے لگائے بستر کے کنارے ٹک گیا۔پیشانی پہ ہنوز شکنوں کا جال بچھا ہوا تھا۔

تیرے منہ سے کبھی کوئی میٹھی بات نکلے گی علی یا میں یہ حسرت دل میں لیے ہی اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں گی۔یہ امی کا ہمیشہ کا ڈائیلاگ ہوتا تھا۔علی نے دائیں ہاتھ سے اپنی پیشانی کو مسلا۔

امی کام کی بات کریں۔فارغ نہیں ہوتا میں۔۔اس کا لہجہ کڑوا تھا۔دوسری جانب سے چند لمحوں تک امی کی سوں سوں کرنے کی آوازیں آتی رہیں پھر خاموشی چھا گئی۔وہ پتھر کے بت کی طرح ساکت بیٹھا رہا۔

جمعرات کو اسلام آباد آجانا۔دو تین دن کی چھٹی لے کر۔اس پہ اپنی گریہ وزاری کا کوئی اثر نہ ہوتا دیکھ کر وہ فوراً مطلب کی بات پہ آگئیں۔

کس لیے آجاؤں؟اسے غصہ آگیا۔

کیونکہ میں کہہ رہی ہوں تیری ماں۔۔اب کہہ دے کہ اتنا حق بھی نہیں اس کرم جلی ماں کو کہ تجھے کوئی حکم دے سکے۔وہ بھی پھٹ پڑی تھیں۔

امی میں ادھر کوئی پکنک پہ نہیں آیا ہوں جو آپ کی فضول فرمائشیں پوری کرتا رہوں۔مجھے وجہ بتائیں پھر ہی میں کچھ ڈسائیڈ کر سکوں گا۔اس کا لہجہ سخت تھا۔

تیرا نکاح جمعہ کو زوار کی سالی کے ساتھ۔۔

واٹ۔۔۔وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔یہ۔۔۔یہ کیا مذاق ہے۔۔

مذاق نہیں ہے میں طے کر چکی ہوں۔تم جمعہ کو ہر صورت میں پہنچ جانا۔امی کا لہجہ سرد تھا۔

امی۔۔۔وہ غصے سے دھاڑا۔آپ ایسا کیسے کر سکتی ہیں۔۔میں نے نہیں کرنی شادی۔۔۔

بکواس بند کر۔۔دس سال ہو گئے تیری یہی رٹ سنتے ہوئے۔۔اب وہی ہو گا جو میں چاہوں گی۔ان کا لہجہ اب کی بار سختی لیے ہوئے تھا۔

آپ جانتی ہیں مجھے۔میں شدت سے باغی ہوں۔اس نے دھمکی آمیز انداز میں کہا۔

ماں کو ذلیل کروائے گا سارے حلقہ احباب کے سامنے۔۔منہ دکھانے کے لائق نہیں چھوڑے گا کیا؟وہاب ایموشنل بلیک میلنگ کر رہی تھیں۔علی کے اعصاب تن گئے۔دائیں ہاتھ کی مٹھی بھینچ لی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

امی میرے صبر کو للکار رہی ہیں آپ۔۔وہ بمشکل ضبط کیے ہوئے بولا۔

اور جو تو دس سالوں سے میری برداشت کا امتحان لے رہا ہے اس کا کیا؟امی نے روئی روئی آواز میں کہا۔

شادی نہیں کروں گا۔وہ قطعیت سے بولا۔

ماں کی عزت کا تجھے کوئی پاس نہیں۔میں تمام جاننے والوں کو بتا چکی ہوں تیرے نکاح کے متعلق اب۔۔یہ ان کا کمزور سا دم توڑتا ہوا تھا۔

یہ آپ کا مسئلہ ہے میرا نہیں۔مجھ سے پوچھ کے نہیں بتایا تھا آپ نے۔وہ بے مروتی سے بولا۔

ہاں ہاں۔۔۔ تیرا مسئلہ کیوں ہونے لگا بھلا۔۔۔ تو تو اس کلموہی کے عشق میں رشتوں کی تمیز ہی بھول گیا ہے۔اس بد فطرت کی خاطر ماں کا مان توڑے گا۔وہ اب چھکوں پھکوں رونے لگی تھیں۔علی کے ماتھے کی رگیں پھول گئیں۔

امی۔۔۔اس کے لہجے میں سانپ کے جیسی پھنکار تھی۔

تو لے کر بیٹھا رہے اس اللہ ماری زوبار یہ کا جوگ۔۔مر گئی تیری ماں تیرے لیے۔۔

امی۔۔بس۔۔آجاؤں گا میں کرلوں گا نکاح۔۔۔مگر آپ آئندہ اس کا نام نہیں لیں گی میرے سامنے سمجھیں آپ!!!وہ ضبط کی انتہائی منزلوں پہ تھا۔

وقت پہ آجانا۔جمعے والے روز عصر کے بعد نکاح ہے۔ان کے رونے کو فوراً بریک لگ گئی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

آجاؤں گا مگر امی مجھ سے یہ امید مت رکھیے گا کہ میں آپ کی بہو کو ہاتھ کا چھالا بنا کر رکھوں گا۔میرے لیے یہ صرف ایک مجبوری کا بندھن ہو گا۔یہ بات آپ اس لڑکی کو بھی اچھی طرح سمجھا دیجئے گا کہ میری زندگی میں دخل اندازی نہیں کرے گی۔بائے!!!اس نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر ادا اور دوسری طرف سے جواب سنے بغیر کال بند کر دی اور جھنجھلا کر موبائل زمین پر دے مارا۔

اگلے روز وہ صبح زوار بھائی کے آفس جانے کے بعد شام کو تلاش کرتی کچن میں چلی آئی۔جہاں وہ ملازمہ کو کچھ ہدایت دے رہی تھی۔اسے آتے دیکھ کر ہمیشہ کی طرح خوش دلی سے

مسکرائی۔

آؤ حمنیٰ ناشتے میں کیا لوں گی؟اس نے اس سے پوچھا۔

تم نے ناشتہ کر لیا؟اس نے الٹا سوال کیا۔

نہیں بس کچھ بھوک نہیں۔شامین نے گہری سانس بھر کر کہا۔

بھوک کیوں نہیں اور شانی اسکول چلا گیا؟اس کا لہجہ ہلکا پھلکا تھا۔شامین نے اثبات میں سر ہلایا۔

تم جاؤ۔حمنیٰ نے ملازمہ کو جانے کا اشارہ کیا تو وہ مؤدب انداز میں سر ہلا کر کچن سے نکل گئی۔

ہاں جی۔۔وہ کیوں نہیں تمہیں؟اس نے شامین سے پوچھا۔

بس یونہی یار۔۔۔شامین کا چہرہ بجھا بجھا سا تھا۔حمنیٰ جانتی تھی کہ اس کی بہن ایک دوراہے پہ کھڑی ہے ایک جانب ماں جائی بہن ہے تو دوسری جانب شوہر کا بگڑا ہوا موڈ۔۔۔۔

بہانے مت کرو۔میں پراٹھے بناتی ہوں اور تم آملیٹ بناؤ۔۔آج بچپن کی یاد تازہ کرتے ہیں۔وہ فریج سے آٹا نکالتے ہوئے ہلکے پھلکے انداز میں بولی۔شامین کاؤنٹر کے قریب چپ چاپ کھڑی تھی۔حمنیٰ نے دوپٹہ اتار کر سائیڈ پہ رکھا اور قمیض کی آستینیں کہنیوں تک موڑنے لگی۔

ہاں بچپن تو بس یادوں میں ہی رہ گیا ہے۔شامین نے یاسیت بھرے لہجے میں کہا۔

وقت کب کسی کے لئے ہوتا ہے یار۔۔اس نے پیڑہ بناتے ہوئے جواب دیا۔

ہوں۔۔۔حمنیٰ مجھے تم سے ایک بات کرنی ہے۔شامین نے چند لمحوں بعد ہچکچاتے ہوئے

کہا۔ حمنیٰ کا رواں رواں منتظر ہو گیا۔ وہ جانتی تھی کہ شامین اس پہ دباؤ نہیں ڈالے گی مگر وہ یہ تہیہ کر چکی تھی کہ وہ اپنی بہن کی زندگی میں کوئی مشکل کھڑی نہیں کرے گی۔

ہاں کہو۔ وہ بظاہر مصروف سے انداز میں بولی۔

وہ اس دن روبی انٹی آئی تھیں ناں۔۔۔ شامین تمہید باندھ رہی تھی۔

ہاں آئی تو تھیں۔ وہ مکمل لاعلمی کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

انکا چھوٹا بیٹا علی آرمی میں ہوتا ہے۔ زوار کے ساتھ کافی اچھی جان پہچان ہے ہمارے گھر بھی آتا جاتا تھا اکثر۔۔ وہ بار بار رک رہی تھی۔

اچھا تو۔۔ اس نے توے پہ پراٹھا پلٹتے ہوئے ذرا کی ذرا نگاہ اٹھا کر اسکی طرف دیکھا۔

روبی آنٹی نے اس کے لئے تمہارا ہاتھ مانگا ہے۔ اس نے بات مکمل کر دی تھی۔

اچھا۔۔ اسکی توجہ پراٹھے کے سرخ ہوتے کناروں کی جانب تھی۔

تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہے۔۔۔۔ شامین جھجک رہی تھی۔

ابھی تک تو کوئی اعتراض والی بات مجھے نظر نہیں آئی۔ وہ مکمل بے نیاز بنی کھڑی تھی۔

حمنیٰ وہ۔۔۔ زوار نے۔۔۔۔۔ اس جمعے کو تمہارا نکاح طے کر دیا ہے علی کے ساتھ۔ شامین ہاتھوں کی انگلیاں چٹخاتے ہوئے بولی۔ اس نے اطمینان سے پراٹھا توے سے اتار کر پلیٹ میں منتقل کیا اور آنچ مدھم کر کے اسکی طرف پلٹی۔

اچھا۔

اصل میں روبی آنٹی کو جلدی ہے۔انکا بڑا بیٹا فارن آفیسر ہے ناورے میں رہتا ہے۔آنٹی بھی اسکے ساتھ رہتی ہیں۔وہ سال میں ایک بار چھٹیوں پہ آتا ہے اب اسکی چھٹیاں ختم ہونے والی ہیں اسلیے آنٹی امی ابو کے چالیسویں تک ویٹ نہیں کر سکتیں۔شامین رک رک کر اسے تفصیل سے اگاہ کر رہی تھی۔

جیسا تم لوگوں کو ٹھیک لگے۔اس نے مدھم لہجے میں کہا۔

علی بہت گڈ لکنگ ہے۔بہت اچھا ہے۔۔تم خوش رہو گی۔وہ اب اسے بہلا رہی تھی وہ جبراً مسکرائی۔

جو تمہیں اور زوار بھائی کو ٹھیک لگے شامین۔تم دونوں میرے بڑے ہو میرا بھلا ہی سوچا ہو گا۔اس نے ہلکے پھلکے انداز میں کہہ کر شامین جو ریلیکسڈ کر دیا۔لیکن خود اسکا اپنا دل مطمئن نہ ہو پا رہا تھا۔۔

ابھی تو امی ابو کی جدائی کا زخم بھی نہ بھرا تھا کہ زندگی ایک نئے موڑ پہ لے آئی تھی۔اس نے بس اللہ پہ بھروسہ کر کے خود کو حالات کے حوالے کر دیا۔

دس سال قبل۔۔۔

مسلسل سولہ گھنٹوں کی بے ہوشی کے بعد اسے ہوش آیا تھا۔اس نے اپنے قریب کھڑی بے

طرح روتی ہوئی اپنی ماں کو دیکھا۔۔پریشان صورت لئے عمر بھائی اسکے سرہانے ہی کھڑے تھے۔ایک مہربان صورت ڈاکٹر بھی اسکے پاس ہی کھڑا۔۔اس سے نرم آواز میں کچھ کہہ رہا تھا۔

امی ریہ۔۔۔اس نے کراہتے ہوئے امی سے پوچھا۔

دفع کر اس چڑیل کو۔۔امی نے بہتے آنسوؤں کے ساتھ کہا۔علی نے کرب سے آنکھیں موند لیں۔ڈاکٹرز نے ایک ہفتے تک اسے انڈر آبزرویشن رکھنے کا عندیہ دیا تھا۔اس دوران میں امی مستقلاً اسکے پاس ہی تھیں۔گاہے بگاہے کوئی نہ کوئی آیت پڑھ کر اس پہ پھونکتی رہتیں۔عمر بھائی بھی آتے جاتے رہتے۔تایاتائی بھی ایک بار آئے تھے پر تکلف سے انداز میں حال چال پوچھتے۔۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

بس نہیں آئی تو وہ نہ آئی تھی۔۔جس کی جدائی کے خیال نے اسے زندگی سے بدظن کر دیا تھا۔ایک ہفتے کے بعد اسے اسے ہسپتال سے ڈسچارج کر دیا گیا۔گھر آکر وہ دلی طور پہ بے چین ہو گیا تھا۔برابر والے گھر سے کوئی بھی اسکا حال پوچھنے نہ آیا تھا۔وہ غیر شعوری طور پر سارا سارا دن منتظر رہتا۔۔۔لیکن اسکا انتظار ہر روز لاحاصل ہی جاتا۔امی اور عمر بھائی اسے ہر وقت زوباریہ کو بھول جانے اور اپنی زندگی پہ توجہ دینے کے مشورے دیتے رہتے۔وہ رونے لگتا۔۔امی اکثر اسکے سامنے بیٹھ کر زوباریہ کو کوسنے اور بددعائیں دیتیں جس نے انکے ہیرے جیسے بیٹے کو برباد کر دیا تھا۔۔وہ انہیں کہتا کہ وہ اسے بددعائیں نہ دیں۔دن صدیوں کی طرح گزرتے جا رہے تھے۔۔

پھر یہ وہ دن تھا جب علی اتنے عرصے بعد اپنے بند کمرے سے باہر نکلا تھا۔اسکے قدم لان کی گھاس پر پڑ رہے تھے۔اور نظروں نے برابر والے گھر کی درمیانی دیوار کو دیکھا تھا۔وہ بے اختیار چلتا ہوا دونوں گھروں کی درمیانی دیوار میں لگے لوہے کے جنگلے دار گیٹ کے قریب آرکا۔اس طرف وسیع و عریض لان میں کسی شاندار سے فنکشن کے مطابق ڈیکوریشن جاری تھی۔اس نے گیٹ کھولنا چاہا مگر آج وہ دوسری جانب سے بند تھا۔

علی !امی کی آواز عقب میں ابھری تو وہ پلٹا۔

امی یہ تایا ابو کے گھر میں کوئی فنکشن ہے کیا؟اس نے ان سے پوچھا۔

ہاں زوباریہ کی مہندی ہے آج اور نکاح بھی۔امی نے برا سا منہ بنا کر اسے اطلاع دی تھی۔علی نے بے اختیار مڑ کر اس جگمگاتے گھر کی جانب دیکھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

تم چلو اندر بیٹا باہر سردی ہے۔امی نے کہا۔علی نے پلٹ کر خالی خالی نظروں سے ان کی طرف دیکھا اور پھر تقریبا دوڑتا ہوا گیٹ کی طرف بڑھا تھا۔امی، علی علی پکارتی اس کے پیچھے بھاگی تھیں۔وہ آن واحد میں گیٹ پار کر کے برابر والے گھر کا کھلا ہوا پھاٹک پار کر گیا۔وہ تیز قدموں سے اس گھر کے اندر داخل ہوا وہاں بہت چہل پہل تھی۔کسی نے بھی اس پر توجہ نہ دی تھی۔اوپری منزل کے زینوں کی جانب چھپٹا اور دو دو تین زینے پھلانگتا ہوا اوپری منزل پر پہنچا اور دائیں طرف بنے کمرے کر بند دروازہ دھاڑ سے کھول کر اندر داخل ہوا۔مایوں کے زرد جوڑے میں ملبوس نازک سی زوباریہ اپنے ہوش ربا حسن کے ساتھ سامنے تھی۔

How could you do this to me?

وہ دکھ سے بولا۔

آئی لو یو ریہ۔۔آئی کانٹ لِوِود آؤٹ یو۔اسکی محبت منتوں پر اتر آئی تھی۔

ہماری طلاق ہو چکی ہے علی۔۔۔آج میرا نکاح ہے۔اب ان سب باتوں کی کوئی تک نہیں بنتی۔بہت سرد لہجے میں بولی۔

کیسے۔۔۔کیسے تم اتنی جلدی میری جگہ کسی اور کو دے سکتی ہو ریہ کیسے۔۔؟وہ چند قدم آگے بڑھا آیا تھا۔

تمہاری جگہ۔۔۔وہ اس استفہامیہ ہنسی۔تم نے تو اپنی جگہ تبھی خالی کر دی تھی جب تم کاکول اکیڈمی جا کر کئی کئی مہینے مجھے اپنی شکل نہیں دکھایا کرتے تھے۔

تم جانتی ہو آرمی میرا پیشن ہے ریہ۔اسکی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

تو تم نے مجھے کئی سالوں سے مسلسل اگنور کر کے اپنے پیشن کو حاصل کر لیا ہے اب۔۔تو اور کیا چاہیے علی جاؤ اور اپنے پیشن کے ساتھ زندگی گزارو۔وہ سفاکیت سے بولی تھی۔علی نے اسے شانوں سے تھام لیا۔

تمہارے بناسب بے معنی ہے ریہ۔وہ دکھ سے بولا۔

یہ تو تمہیں تب سوچنا چاہیے تھا ناں جب میں نے تمہارے سامنے چوائس رکھی تھی۔۔تب تم نے پیشن کو محبت پر ترجیح دی تھی علی تو اب کیا لینے آئے ہو میرے پاس۔۔جسٹ لیو۔اس نے اس کے ہاتھ جھٹک دیے تھے۔علی کا چہرہ بھیگنے لگا۔

تم میرے بغیر رہ لو گی ریہ؟ وہ بہتے آنسوؤں کے ساتھ عجیب سے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

ہاں بالکل۔۔اور بہت خوش رہو گی کیونکہ شمریز کی فرسٹ چوائس میں ہوں۔۔کوئی اسٹوپڈ سا پیشن نہیں۔۔وہ پورے کا پورا میرا ہے۔تمہاری طرح دو ٹکڑوں میں بٹا ہوا انسان نہیں ہے۔۔اور پلیز اب تم جاؤ یہاں سے۔۔میری خوشیوں پہ اپنا یہ روتا ہوا منحوس عکس مت ڈالو۔وہ بے رخی و بے گانگی کی انتہا پہ تھی۔علی کے دل کو دھکا سا لگا تھا۔اس نے بے اختیار اپنے آنسو پونچھے۔

گٹ آوٹ۔زوباریہ نے اپنا چاندنی سا بازو وا کر کے اسے کمرے سے نکل جانے کی ہدایت جاری کی تھی۔علی مرتضیٰ نے اپنی انا کو اس حسن کی دیوی کے قدموں میں پڑے کراہتے دیکھا۔وہ یکلخت پلٹا تھا اور اسکے قدم اپنے گھر آ کر ہی تھمے تھے۔امی برآمدے میں ہی بیٹھی ہوئی تھیں۔لپک کر اسکے قریب آئیں۔

کیوں گیا تھا تو ادھر۔۔۔علی دفع کر دے اس چڑیل کو لعنت بھیج دے۔وہ رو رہی تھیں۔علی نے اپنے ضبط سے لال آنکھیں ان کی طرف اٹھائیں اور برآمدے کی طرف بڑھ گیا۔امی نے اس کا بازو تھام لیا۔

کدھر جا رہا ہے علی۔میرے بچے ادھر بیٹھ جا میرے پاس۔انکا دل وسوسوں میں گھرا ہوا تھا۔علی نے نرمی سے اپنا بازو ان کی گرفت سے چھڑوایا۔

تھوڑی دیر سونا چاہتا ہوں امی۔فکر مت کریں خودکشی نہیں کروں گا۔وہ جب بولا تو اس کا لہجہ سرد تھا۔

اپنی بات کہہ کر وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا اپنے کمرے میں چلا آیا تھا۔ زوباریہ ملک کے گھر سے ڈھولکی بجنے کی آوازیں بلند ہونے لگیں تھیں۔۔۔۔بہت شکستہ قدموں کے ساتھ چلتا ہوا اپنے کمرے میں آیا اور تمام روشنیاں گل کر کے راکنگ چیئر پہ آ بیٹھا۔ برابر والے گھر سے آتی ڈھولکی بجنے کی آوازیں اسکے سر پے مسلسل ہتھوڑے کی طرح برس رہی تھیں اس نے راکنگ چیئر کی پشت سے کمر ٹکالی۔ وہ آگے پیچھے جھولنے لگی تھی۔ اور اس کی ایک ایک ہلنت کے ساتھ اس کے ذہن کے دریچوں پہ ماضی کے در وا ہوتے چلے جا رہے تھے۔

وہ بیگم اشفاق کا شاندار بنگلہ تھا اور یہ اس شاندار بنگلے میں واقع ایک سجی سجائی اور جدید ترین فرنیچر سے آراستہ خواب گاہ۔۔۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

حمنیٰ عابد کو اس عالیشان محل کے اس عالیشان کمرے میں تن تنہا بیٹھے ہوئے کئی گھنٹے ہونے کو آئے تھے۔ اور اب تو اس کے کمر بھی تختہ ہو گئی تھی۔ دیوار گیر گھڑی پہ چلتی سوئیاں رات کے 2 بجے کا پتا دے رہی تھیں۔ اس نے گہری سانس بھری۔ تخلیق کا انتظار فضول تھا۔ وہ اپنا رزتار سرخ غرارہ سنبھالتی بستر سے اتری۔ عین اسی لمحے کمرے کا دروازہ کھلا اور وہ اندر داخل ہوا۔۔ سیاہ ڈنر سوٹ میں تھکا تھکا سا اکتایا اکتایا سا۔۔۔ وہ کچھ نروس سی ہو گئی۔ علی نے ایک نظر اس کے سجے سجائے سراپے پہ ڈالی اور پھر چلتا ہوا عین اسکے سامنے آ کھڑا ہوا۔ حمنیٰ نے نظریں جھکا لیں۔ دل میں خوش گمانیاں جنم لینے لگیں تھیں۔ لبوں کے گوشوں پہ دھیمی سی مسکان مچلنے لگی۔

یہ آدھی رات تک بناؤ سنگھار کئے کیوں بیٹھی ہو؟ علی کی کرخت سی آواز اسکی سماعتوں سے ٹکرائی تو اس نے بے ساختہ پلکیں اٹھائیں۔ وہ بھوری سنہری آنکھوں میں تنفر لیے اسے دیکھ رہا تھا۔ کشادہ پیشانی پہ شکنیں بہت واضح تھیں۔

وہ۔۔۔۔ وہ ہکلائی۔

گو اینڈ چینج! اس نے بے زاری سے ہاتھ ہلایا تو وہ بجھے دل کے ساتھ غرارہ سنبھالے پلٹی۔ چوڑیوں کی ہلکی سی کھنک نے ماحول میں آرتعاش سا پیدا کیا تھا۔

جانتا ہوں میں عورتیں کیوں سجتی سنورتی ہیں۔ ڈریسنگ روم کی جانب بڑھتے اسکے قدم بے اختیار رکے۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ اب ایک شانِ بے نیازی کے ساتھ چند قدم طے کر کے صوفے پہ براجمان ہو گیا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

تاکہ دنیا اسے دیکھے اور سراہے۔۔ ہونہہ۔۔ خود نمائی عورت کی فطرت ہے۔ وہ ٹانگ پہ ٹانگ رکھے زہر خند لہجے میں بول رہا تھا۔ حمنیٰ کا ذہن بھک سے اڑ گیا۔ اس نے خواب میں بھی ایسی صورتحال کا تصور نہ کیا تھا۔ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ علی کو کافی اچھی طرح جواب دیتی مگر فی الوقت وہ صرف حیرتوں کے سمندر میں غوطہ زن تھی۔ اس لیے زبان گنگ ہو جانا ایک فطری امر تھا۔

اب کھڑی میرا منہ کیا دیکھ رہی ہو۔۔ میں تمہارے اس حسن کی شان میں قلابے ہر گز نہیں ملاؤں گا کیونکہ میں اس حسن کی حقیقت سے واقف ہوں۔ اب جاؤ اور جا کر اپنی اصل صورت میں واپس آؤ کیونکہ میں حقیقی صوتیں دیکھنے کا عادی ہوں۔ وہ اسکے کانوں میں زہر انڈیلنے کے

بعد اپنے موبائل میں مصروف ہو گیا تھا۔ وہ بجھے دل کے ساتھ من من بھر کے قدم اٹھاتی ڈریسنگ روم میں بند ہو گئی۔ زندگی کا یہ نیا موڑ اسکی سمجھ سے باہر تھا۔

اس نے سلام پھیر کر دعا کیلیئے ہاتھ اٹھائے تو دو آنسو ٹوٹ کر ہتھیلیوں پہ گر گئے۔ اس کا رب تو اسکے ہر درد سے واقف تھا۔ وہ بزبانِ خاموشی اپنے پروردگار سے محوِ گفتگو ہو گئی۔ دل کو کچھ قرار ملا تو آمین کہہ کر ہاتھ چہرے پہ پھیرے اور جائے نماز سمیٹ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ بیڈ سائیڈ ٹیبل سے اپنا موبائل اٹھا کر کاؤچ پر پاؤں سمیٹ کر بیٹھ گئی اور موبائل پر قرآن کھول کر زیر لب سورۃ یٰسین کی تلاوت کرنے لگی۔ تلاوت مکمل کر کے اس نے امی ابو کے ایصال ثواب کیلیئے دعا کی۔ اسی لمحے علی کمرے میں داخل ہوا وہ فجر کی اذان کے وقت کہیں چلا گیا تھا۔ اسکے جسم پہ ٹریک سوٹ تھا اور پسینے سے بھیگے بال پیشانی پہ چپکے ہوئے تھے۔۔ شاید وہ جاگنگ کر کے آیا تھا۔ حمنیٰ نے موبائل سائیڈ ٹیبل پہ رکھا اور اپنی چادر سر سے اتار کر کاندھے پہ ڈالتے ہوئے وہیں کاؤچ پہ نیم دراز ہو گئی۔ علی اس پہ ایک اچٹتی سی نظر ڈال کر واش روم میں گھس گیا۔ اس نے سکون کا سانس لیا اور اپنے منہ پہ چادر کا پلو ڈال کر آنکھیں موند لیں۔ محض ایک رات کی رفاقت کے بعد اسے اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا کہ علی کیساتھ زندگی کا سفر انتہائی کٹھن ثابت ہو گا۔ وہ ایک عجیب و غریب شخص تھا۔ سرد مہر بے حد سرد مہر۔۔ یوں جیسے اسکی رگوں میں لہو کی بجائے برف دوڑتی تھی۔۔ حمنیٰ کیلیئے وہ ایک ناقابل فہم انسان ثابت ہوا تھا۔

اسنے چادر کا پلو منہ پہ ڈال لیا اور آنکھیں موند کر اپنے ذہن کو ہر خیال سے آزاد کروانے لگی۔ کچھ دیر کی جدوجہد کے بعد ذہن پہ غنودگی مسلط ہونے لگی تھی اور پھر جلد ہی وہ گہری نیند سو

گئی۔اسکی آنکھ کسی کے جگانے پہ کھلی تھی۔اسنے مندی مندی آنکھوں سے جگانے والے کی جانب دیکھا۔روبی آنٹی اس پہ جھکی ہوئی تھیں۔وہ فوراً سے اٹھ بیٹھی۔

اسلام علیکم آنٹی! وہ جلدی سے بولی۔

وعلیکم السلام! یہاں کیوں سو رہی تھیں تم؟وہ ٹٹولنے والے انداز میں اسکی طرف دیکھ رہی تھیں۔

فجر کی نماز کے بعد یونہی ذرا دیر کو لیٹی تھی ادھر تو پتہ ہی نہیں چلا کب آنکھ لگ گئی۔

ہوں۔۔علی صبح صبح ہی کہیں نکل گیا۔وہ نجانے پوچھ رہی تھیں یا بتا رہی تھیں۔حمنیٰ کچھ نہ بولی۔

علی کا رویہ کیسا تھا تمہارے ساتھ؟وہ اسکے برابر ہی بیٹھ گئیں۔

صحیح تھا۔اس نے نظریں جھکا کر مدھم آواز میں جواب دیا۔

دیکھو بیٹا! میں جانتی ہوں کہ علی ذرا تیز مزاج کا ہے اسے غصہ بہت جلد آجاتا ہے۔مگر تم اسکی بیوی ہو اور اچھی بیویاں شوہروں کے مزاج کے مطابق خود کو ڈھال لیتی ہیں۔لہٰذا تمہیں بھی اب اسکے مزاج کے مطابق ہی زندگی گزارنا پڑے گی۔علی تو عورت کے نام تک سے بدکتا تھا تم سے شادی اس نے صرف میرے دباؤ میں آکر کی ہے۔اب تم نے یہ ثابت کرنا ہے کہ میرا فیصلہ اسکے حق میں بالکل ٹھیک تھا۔میرے بیٹے کو تمہاری رفاقت میں کبھی یہ احساس نہیں ہونا چاہیئے کہ اس نے اپنی ماں کی بات مان کر غلطی کی تھی۔وہ بڑے ملائم لہجے میں بہت کھردری

باتیں کر رہی تھیں۔

مگر وہ عورت کے نام سے کیوں بدکتے تھے؟ وہ خود کو یہ سوال کرنے سے روک نہ سکی تھی۔

بس اسکا مزاج ہی ایسا ہے۔اور وہ اپنے مزاج کیخلاف ایک لفظ بھی برداشت نہیں کر سکتا۔میں نے تمہیں اپنے بیٹے کیلیئے چوز ہی اسلیئے کیا تھا کیونکہ تم دھیمے مزاج کی کم گو لڑکی لگی تھیں مجھے۔اور میرے علی کیساتھ ایک کم گو لڑکی ہی چل سکتی ہے۔اب اگر تم اسکی عادات اور نیچر کو سمجھ کر اسکی مرضی کے مطابق رہو گی تو ایک دن اسکے دل میں بھی جگہ بنالو گی۔وہ اسے سمجھا رہی تھی۔اور وہ ان سے کچھ بھی نہ کہہ سکی تھی یہ بھی نہیں کہ وہ اسکے متعلق سب کے سب غلط اندازے لگا گئیں نہ وہ کم گو ہے نہ دھیمے مزاج کی۔۔۔وہ انکو کچھ بھی نہ کہہ سکی تھی۔

تم فریش ہو جاؤ میں تمہارے لیئے ناشتہ بھجوا دیتی ہوں۔وہ کہہ کر کمرے سے چلی گئیں اور حمنیٰ کی تو بھوک ہی مر گئی تھی۔کیسے کیسے خواب آنکھوں میں سجا کر اسنے یہ نئی زندگی شروع کی تھی۔مگر اس نئی زندگی کا تو آغاز ہی اس قدر بے رنگ تھا کہ اسکا دل ہر شے سے اچاٹ ہونے لگا تھا۔

اگلے روز ولیمے کا فنکشن بھی سادگی سے ہی انجام پا گیا اور اسی روز رات کے وقت علی واپس چلا گیا۔روبی آنٹی نے شامین کو مکلاوے کی رسم کیلیئے منع کر دیا تھا۔انکا کہنا تھا کہ وہ جتنے دن تک یہاں ہیں اپنی بہو کیساتھ وقت گزارنا چاہتی ہیں۔یہ الگ بات ہے کہ حمنیٰ کو ان کے ساتھ ایک لمحہ گزارنا بھی مشکل لگتا تھا۔انکے جانے میں ابھی ایک ہفتہ باقی تھا اور یہ سات دن انہوں

نے حمنیٰ کو یہی سمجھانے میں صرف کیئے تھے کہ علی کی مرضی کے سامنے سر جھکانا اسکا فرض ہے۔۔انکا بیٹا بہت حساس ہے اسلیئے اسکی دل آزاری نہیں ہونی چاہیئے۔۔ علی کو خود سے مانوس کرنے کیلیئے اگر سر دھڑ کی بازی بھی لگانی پڑے تو وہ نہ چوکے۔۔وغیرہ وغیرہ۔۔وہ لب سیئے سنتی رہی سنتی رہی۔۔۔ مگر اسکے دل میں اس انسان کیلیئے غم و غصہ بڑھ رہا تھا۔وہ جو اسکا محرم و نگہبان تھا مگر کہیں نہ تھا۔۔اسنے تو پلٹ کر اسکا حال بھی پوچھنا گوارا نہ کیا تھا۔بہر حال خدا خدا کر کے سات دن گزرے اور روبی آنٹی وغیرہ کی فلائیٹ کا دن آن پہنچا۔ علی اس روز بھی آیا تھا بس چند گھنٹوں کیلیئے۔ائیر پورٹ پر شامین اور زوار بھائی بھی آئے تھے۔وہ سب سے بہت اچھے طریقے سے ملا تھا بس اسی سے انجان سا بنا رہا تھا۔شامین نے اس سے حمنیٰ کو کچھ دن اپنے پاس رکھنے کی اجازت مانگی تو اسنے بخوشی مسکرا کر اجازت دے ڈالی تھی۔ حمنیٰ کا دل جل کے رہ گیا۔وہ شامین کیساتھ اسکے گھر آ گئی۔ مگر اسکا دل بیچین تھا۔اسے اب ایک ہی خدشہ لاحق تھا کہ نجانے علی کبھی اسے لینے کیلیئے آیئگا بھی یا نہیں۔

ایک بات پوچھوں حمنیٰ؟رات کو شامین چائے کے دو مگ تھامے گیسٹ روم میں چلی آئی۔وہ ایک کتاب دیکھ رہی تھی اسکی آمد پہ مکمل طور پر اسکی جانب متوجہ ہو گئی۔شامین نے ایک مگ اسے تھمایا اور اسکے سرہانے ہی بستر پہ پاؤں سمیٹ کر بیٹھ گئی۔

ہاں پوچھو۔اس نے چائے کا ایک گھونٹ بھرا۔

تم علی کیساتھ خوش ہو؟شامین کی نظریں ٹٹولنے والے انداز میں اس کے چہرے پہ مرکوز

تھیں۔اس نے سر جھکا لیا۔

حمنیٰ۔۔۔شامین نے اسکی خاموشی پر اسے ٹوکا۔

پتہ نہیں۔۔۔وہ مدھم آواز میں بولی۔

علی کا رویہ کیسا ہے تمہارے ساتھ؟

پتہ نہیں۔میں اب تک انہیں سمجھ ہی نہیں سکی۔یا یوں کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ میری ان سے ملاقات ہی بہت قلیل وقت کیلیئے ہوئی تھی۔اسکے لہجے میں الجھن تھی۔

ہاں وہ کچھ غصیلا سا ہے کچھ ریزرو بھی رہتا ہے لوگوں کیساتھ۔

میرا شمار لوگوں میں نہیں ہوتا شامین میں انکی بیوی ہوں۔اس نے جتایا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ٹھیک ہو جائیگا یار۔اکھڑ ہے ذرا۔تم یہ بتاؤ کہ روبی آنٹی کا رویہ کیسا تھا تمہارے ساتھ؟ شامین نے پوچھا۔

ویسا ہی جو ایک خود غرض انسان کا ہو سکتا ہے۔اپنے بیٹے کی ساری تیز مزاجی اور اکھڑ پن کو جھیلنے کی پابند مجھے بنا کر وہ خود اطمینان سے چلی گئی ہیں۔اب علی چاہے جیسا مرضی آئے میرے ساتھ برتاؤ کرے۔یہ میرا کام ہے کہ اسکے دل میں جگہ بنانے کیلیئے سر دھڑ کی بازی لگا دوں۔وہ تلخی سے گویا ہوئی۔

اچھا تم فکر مت کرو۔دیکھو وہاں کھاریاں میں تم دونوں کو ایک دوسرے کیساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزارنے کا موقع ملے گا تو انڈر اسٹینڈنگ ہو جائیگی۔شامین کا انداز تسلی دینے والا

تھا۔وہ کچھ نہ بولی۔

حمنیٰ یار۔۔اداس تو نہ ہو ناں آئم سوری وہ اسکی خاموشی کو اسکی افسردگی پہ محمول کر کے بولی۔

اٹس او کے یار۔اسنے بے دلی سے کہا۔

دیکھو حمنیٰ شادی شدہ زندگی میں سروائیو صرف عورت کو ہی کرنا ہوتا ہے۔تم خود کو کمزور مت پڑنے دینا۔۔اپنی ہمت جمع رکھنا۔ایک دن تم علی کیساتھ ایک خوشگوار زندگی گزارو گی۔ شامین اب نرم لہجے میں وہی سمجھا رہی تھی جو روبی آنٹی طنزیہ انداز میں اسے کئی بات سمجھا چکی تھی۔وہ جواباً کچھ نہ بولی۔اسے اچھی طرح سمجھ میں آگیا تھا کہ اب وہ دنیا کو صرف مسز علی مرتضیٰ کے روپ میں ہی گوارا ہے۔سو اس نے سروائیو کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اگلے روز اس نے علی کو کال ملائی۔تیسری بیل پہ اسکی مصروف سی ہیلو سنائی دی تھی۔

جی۔۔میں حمنیٰ بول رہی ہوں۔وہ محتاط لہجے میں بولی۔

کون حمنیٰ؟دوسری جانب سے مکمل لاعلمی کا اظہار کیا گیا تھا۔حمنیٰ کے عزت نفس پر چوٹ پڑی اور ضمیر نے چلا کر کہا کال کاٹ دو حمنیٰ لیکن اسنے ضمیر کی پکار پر کان نہ دھرے اور بولی آپکی بیوی۔

اوہ۔۔۔بولو۔علی نے ہنکارا بھرا۔

آپ مجھے لینے کب آئینگے؟اسکی انا رونے لگی۔

کیا میں تم سے ایسا کوئی وعدہ کر کے گیا تھا؟ لہجے کی بے گانگی فون پہ بھی محسوس کی جا سکتی تھی۔

نہیں۔۔ لیکن میں اب ہمیشہ اپنی بہن کے گھر پہ تو نہیں رہ سکتی۔اس نے اپنی روتی ہوئی انا کا گلا گھونٹنا شروع کر دیا۔

تو پھر کیا کوئی اور گھر ہے تمہارے پاس؟ وہ شخص سنگدلی کی انتہا پر تھا۔

جی۔۔ میرے شوہر کا گھر۔۔ میرا گھر۔۔ انا اب سسکیاں لے رہی تھی اسکی آہنی گرفت مزید سخت ہوتی گئی۔

آئی سی۔۔ لیکن حق جتانے سے قبل یہ تو پوچھ لو کہ میں تمہیں کوئی حق دینا بھی چاہتا ہوں یا نہیں؟

یہ پوچھنے کی مجھے ضرورت نہیں۔ نکاح کے دو بول آپکو میرا محرم و نگہبان بنا چکے ہیں اور اب میں آپکی ذمے داری ہوں۔انا نے آخری ہچکی لی۔

تمہاری فضول تقریر سننے کا میرا کوئی ارادہ نہیں ہے اور نہ ہی میرے پاس اتنا فالتو وقت ہے کہ تمہیں لینے اسلام آباد آؤں۔۔ میری نظر میں اس شادی کی ویلیو زیرو سے بھی کم ہے۔اور یہ میرا مخلصانہ مشورہ ہے تمہیں کہ اپنی زندگی کا فیصلہ کر لو۔۔ میرے ساتھ تمہاری زندگی کبھی اسٹیبل نہیں ہو سکے گی۔اسکے لہجے میں بہت ٹھنڈک تھی۔

آپکے مشورے کا بہت شکریہ۔۔ آپ مجھے لینے نہیں آئینگے ٹھیک ہے۔ میں خود آجاؤنگی۔ بائے۔اس نے غصیلے لہجے میں کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔اسکی انا دم توڑ چکی تھی۔۔ وہ گھٹنوں

میں منہ دے کر بزبانِ خاموشی ماتم کرنے لگی۔

تمام رات وہ اضطراب میں گھری رہی۔دل بے طرح بیچین تھا۔اس نے علی سے یہ تو کہہ دیا تھا کہ وہ خود ہی کھاریاں آجائیگی مگر تب سے ابتک شامین اور زوار بھائی کو مطمئن کرنے کیلیئے کوئی بہانہ سوچنے کی کوشش میں ہلکان ہوئی جارہی تھی۔اور دوسری جانب کھاریاں پہنچنے پر علی کے متوقع سرد مہر رویے کا سوچ سوچ کر اسکا دل لرز رہا تھا۔تمام رات آنکھوں میں کٹی۔صبح کے قریب جاکر آنکھ لگی ہی تھی کہ شامین کے جگانے پر ہڑبڑا کے اٹھ بیٹھی۔

کیا ہوا خیریت تو ہے ناں؟اس نے حیرت سے ہوچھا۔

علی تمہیں لینے کیلیئے آیا ہے۔جلدی سے آجاؤ۔اسنے ابھی واپسی کیلیئے بھی نکلنا ہے۔شامین معمول کے انداز میں کہہ کر کمرے سے چلی گئی۔جبکہ وہ تو سن سی بیٹھی رہ گئی تھی۔اسے یقین نہ آرہا تھا کہ جو شخص دوپہر تک اس رشتے کو ختم کرنے کے مشورے دے رہا تھا کچھ ہی گھنٹوں بعد خود اسے لینے چلا آیا تھا۔اسنے دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کیا اور جلدی سے اپنا بیگ پیک کیا۔کپڑے تبدیل کئے اور سیاہ چادر اوڑھ کر بیگ اٹھائے کمرے سے نکل کر لاؤنج میں آگئی۔وہ زوار بھائی کیساتھ باتوں میں مصروف تھا۔

اسلام علیکم! اس نے ذرا بلند آواز میں سلام کیا تو علی نے اسکی طرف دیکھا۔وہ اس وقت بالکل عام سے حلیئے میں سیاہ چادر میں لپٹی ہوئی بہت مقدس اور پاکیزہ نظر آرہی تھی۔

وعلیکم السلام! چلیں۔وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

جی۔اس نے سر ہلایا۔

اوکے زوار صاحب اجازت دیجیئے۔زوار بھائی بھی اٹھ کھڑے ہوئے تھے دونوں نے مصافحہ کیا اسی لمحے شامین اندر آئی۔

جارہے ہو تم لوگ۔میں تو کہہ رہی تھی ناشتہ کر کے جاتے۔شامین نے علی کو مخاطب کیا۔

نہیں بھابھی! مجھے بہت ضروری کام ہے۔اسلیئے اب چلیں گے۔چلو حمنیٰ۔سنجیدگی سے شامین کو منع کر کے وہ حمنیٰ سے مخاطب ہوا تو وہ فوراً آگے بڑھی۔

شامین اور زوار بھائی ان دونوں کو رخصت کرنے پورچ تک آئے تھے۔وہ شامین سے گلے مل کر علی کی گاڑی میں بیٹھ گئی۔علی نے گاڑی اسٹارٹ کی۔اس نے شامین کو ہاتھ ہلایا۔اور گاڑی گیٹ سے باہر نکل آئی۔اسلام آباد کی سڑکیں اس سمے بالکل سنسان تھیں۔صبح صادق کا اجالا پھیل رہا تھا مشرقی افق پر شوخ رنگ لہریئے مچل رہے تھے اور بہت قریب قریب نظر آتی مارگلہ کی پہاڑیاں اس صبح میں جیسے اونگھتی ہوئی معلوم ہو رہی تھیں۔اس نے گردن موڑ کر علی کی جانب دیکھا۔وہ لب بھینچے ونڈ شیلڈ پہ نظریں مرکوز کیئے ہوئے تھا۔پیشانی پہ شکنوں کا جال تھا۔

تھینک یو۔وہ مدھم لہجے میں بولی۔

کیوں؟اس نے اکتائے ہوئے انداز میں پوچھا۔

مجھے ریسپیکٹ دلوانے کیلیئے۔وہ اسی لہجے میں بولی۔علی نے کن اکھیوں سے اسکی طرف دیکھا۔

وہ اسی کی جانب دیکھ رہی تھی۔

اس خوش فہمی میں مت رہو کہ خصوصی طور ہر تمہیں لینے آیا تھا۔ایک کام کے سلسلے میں آنا پڑا تو سوچا تمہیں بھی لیتا چلوں۔وہ سر جھٹک کر جتانے والے انداز میں بولا۔حمنیٰ کیلیئے اس وقت اتنا بھی کافی تھا۔اسنے سر سیٹ کی پشت سے ٹیک دیا۔گاڑی اس وقت ہائی وے پہ فراٹے بھر رہی تھی۔اس نے آنکھیں موند لیں۔بقیہ سفر میں وہ اونگھتی رہی تھی۔

دس سال قبل۔۔۔

زوباریہ ملک کیساتھ اسکی محبت کی عمر کتنی پرانی تھی اسکا تعین وہ کبھی نہ کر پایا تھا۔۔۔اس نے ہوش سنبھالتے ہی نیلی آنکھوں اور گہرے بھورے گھنگریالے بالوں والی اس گڑیا کی محبت کو اپنی رگوں میں دوڑتا ہوا پایا تھا۔اسکے بابا اشفاق آرمی سے منسلک تھے شادی کے بعد اولین پانچ سالوں تک تو انہوں نے اپنی بیوی اور بچوں کو اپنے ساتھ ہی رکھا مگر جب بڑے عمر کو سکول داخل کرعانے کا وقت آیا تو ان کے ذہن کو یہ خیال ستانے لگا کہ انکے روز روز کے تبادلوں کے باعث انکے بچوں کی تعلیم متاثر ہو گی لہٰذا انہوں نے اپنی اولاد کے بہتر مستقبل کی خاطر دل پہ پتھر رکھ کر اپنی بیوی اور بچوں کو مستقلاً ایبٹ آباد میں منتقل کر دیا۔ایبٹ آباد کے فلک بوس پہاڑوں کے دامن میں انکا بڑا سا آبائی گھر تھا جس کے ایک حصے میں اشفاق صاحب کے بڑے بھائی الیاس مرتضیٰ اپنی بیوی اور اکلوتی بیٹی کیساتھ مقیم تھے وہ ایک کامیاب ترین بزنس مین تھے۔گھر کا دوسرا حصہ اشفاق کی فیملی کیلیئے مختص تھا سو انہوں نے اپنے بیوی بچوں کو وہاں

منتقل کروادیا اور اپنے بھائی کو انکا خیال رکھنے کا کہہ واپس چلے گئے۔اس وقت عمر چار سال کا جبکہ علی دو سال کا اور ننھی زوباریہ ایک برس کی تھی۔انکے اور تایا کے پورشن کے درمیان ایک دیوار بنا کر پارٹیشن کیا گیا تھا۔بعد ازاں تایا ابو نے اس دیوار میں ایک جنگلے دار دروازہ لگوادیا تاکہ بچوں کو آنے جانے کیلیئے بیرونی گیٹ استعمال نہ کرنا پڑے۔علی کا بڑا بھائی عمر ہمیشہ سے سنجیدہ مزاج اور ریزرو طبیعت کا مالک تھا۔ایسے میں علی اور زوباریہ کی دوستی بہت پکی ہو گئی۔ زوباریہ اکلوتی ہونے کے باعث تنہائی کا شکار تھی علی کی صورت میں ایک ساتھی مل گیا وہ دن کا زیادہ تر وقت انکے پورشن میں ہی گزارتی۔وہ دونوں مل کر نت نئی شرارتیں کرتے دونوں گھر والوں کا ناطقہ بند کیئے رکھتے۔انکی معصوم ہنسی سے دونوں گھروں کے در و دیوار گونج اٹھتے۔ دوسری جانب تائی اور امی کے درمیان بھی کافی اچھی دوستی ہو گئی تھی۔تائی کو بیٹے کی بہت آرزو تھی مگر زوباریہ کی پیدائش کے مرحلے میں کسی پیچیدگی کے باعث وہ دوبارہ کبھی ماں نہ بن سکتی تھیں لہٰذا علی کے آجانے سے وہ بھی خوش ہو گئیں۔اور امی کو زوباریہ کی شکل میں بیٹی مل گئی۔وقت گزرتا گیا۔علی اور زوباریہ کی دوستی گہری ہوتی گئی۔وہ جیسے اک دوجے کا سایہ تھے۔دونوں ایک ہی اسکول اور ایک ہی کلاس میں پڑھتے تھے۔ایک جیسا اسکول بیگ جیومیٹری لنچ باکس اور ایک جیسی سائیکل۔۔اگر علی کا بس چلتا تو زوباریہ کے جیسا دکھنے کی خاطر بال لمبے کر کے دو پونیاں بھی بنالیتا مگر یہاں اس کا بس نہیں چلتا تھا کیونکہ اسکول میں لڑکوں کے بڑھے بالوں پہ فائن ہوتا تھا۔تعلیمی میدان میں بھی وہ دونوں ایک دوسرے کے ہم پلہ تھے۔مگر علی ہمیشہ جان بوجھ کر ایگزامز میں ایسی کوئی غلطی کر آتا کہ کلاس میں اول پوزیشن زوباریہ کے حصے میں آتی۔۔وہ ہمیشہ سیکنڈ پوزیشن لاتا۔اور جب رزلٹ اناؤنس ہونے

پر فرسٹ پوزیشن زوباریہ ملک کا اعلان کیا جاتا اور زوباریہ تمتماتے چہرے کیساتھ بڑا سا کپ ہاتھ میں پکڑے آکر اس سے لپٹ جاتی تو اسے لگتا کہ ساری کائنات کی خوشیاں اسکے قدموں میں ڈھیر ہو گئی ہیں۔ بچپن رخصت ہوا اور شعور کی سرحد پہ قدم رکھتے ہی علی کو زوباریہ کیلیئے اپنی اچھوتی فیلنگز کا احساس ہوا تو اس نے لمحے بھر کی تاخیر کیئے بناء اسکے سامنے اپنے جذبات کا اظہار کر دیا تھا۔ جواب میں اس کے حسین چہرے پہ پھیلتے حیا کے گلابی پن اور نیلی آنکھوں کی الوہی چمک نے اسکو ہر جواب دے ڈالا تھا۔ تب وہ سولہ سال کا تھا اور زوباریہ پندرہ کی۔۔۔

جس وقت علی کی گاڑی کھاریاں شہر کی حدود میں داخل ہوئی تب تک اچھا خاصا دن نکل آیا تھا۔ علی نے ایک ہاتھ اسٹیرنگ سے ہٹا کر سوئی ہوئی حمنیٰ کا شانہ ہلایا۔ وہ چونک کر کسمسائی۔ آنکھیں وا کرتے ہی سورج کی تیز روشنی کے باعث زور سے بند کر کے دوبارہ کھولیں۔ اس وقت گاڑی شہر کی بھری پری شاہراہ پہ گامزن تھی۔ کھاریاں اسلام آباد شہر سے ایک سو پچیس کلو میٹر کے فاصلے پہ واقع ایک تحصیل ہے۔ اس شہر میں سب سے زیادہ اہمیت کا حامل اسکا کینٹ ایریا ہے جو مین جی ٹی روڈ کے بالکل کنارے واقع ہے۔ علی کی گاڑی کا رخ کینٹ ایریا کی جانب نہیں تھا۔ وہ سیدھی ہو بیٹھی۔

مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ اس نے علی کو مخاطب کیا۔ علی نے ایک نظر اسکی طرف ڈالی۔ اور پھر گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔ اور ایک ریسٹورنٹ کے سامنے گاڑی روک کر خود اتر کر اندر چلا گیا۔ اس نے گاڑی کا شیشہ نیچے کیا اور باہر دیکھنے لگی۔ ہر طرف ایسی چہل پہل تھی جیسی عموماً اندرون شہروں میں پائی جاتی ہے۔ ایک بے ہنگم سا شور تھا جو فضا پہ مسلط تھا۔ اس نے اکتا کر شیشہ

چڑھایا اور سر سیٹ کی پشت سے ٹکا کر علی کا انتظار کرنے لگی۔ وہ تقریباً پچیس منٹوں بعد ہاتھوں میں کچھ شاپرز تھامے ریسٹورنٹ سے برآمد ہوا تھا۔

یہ سامان آج کے لیئے بہت ہو گا۔ اس نے وہ شاپرز گاڑی کی پچھلی سیٹ پہ رکھتے ہوئے کہا اور خود بھی ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھ گیا۔

مجھے جلد از جلد ڈیوٹی پہ پہنچنا ہے اسلیئے ریسٹورنٹ پہ زیادہ دیر رک نہیں سکتا تھا۔ وہ از خود اس سے بات کر رہا تھا۔ اسے کافی حیرت ہوئی۔

مجھے ابھی سرکاری رہائش نہیں ملی جب تک اسکا انتظام نہیں ہو جاتا تم میرے ایک دوست کے اپارٹمنٹ میں رہو گی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

دوست کے اپارٹمنٹ میں۔ وہ حیرت سے بولی۔

میرے دوست کی ملکیت ہے صرف وہ خود یہاں نہیں ہوتا۔ خالی ہی پڑا رہتا ہے اسلیئے میں نے اس سے کچھ دنوں کیلیئے لے لیا۔ جب تک مجھے سرکاری گھر نہیں مل جاتا تم وہاں آرام سے رہ سکو گی۔ وہ نارمل انداز میں بات کر رہا تھا۔ ماتھے کے بل بھی غائب تھے۔

اکیلی رہوں گی میں؟ اس نے بجھے دل کیساتھ پوچھا۔

نہیں پوری بٹالین بھیج دونگا تمہارے پہرے کیلیئے۔ وہ طنزیہ انداز میں بولا تو وہ بھی تپ سی گئی۔

اب کچھ نہیں پوچھوں گی۔ وہ جل کر بولی۔

یہی بہتر رہے گا۔وہ دوبدو بولا۔

میں اکیلی نہیں رہوں گی سمجھے آپ۔اسنے دھونس جمائی۔

آتا جاتا رہوں گا۔مت کھاؤ میرا دماغ۔وہ چڑ گیا۔

آپ مستقلاً میرے ساتھ قیام کرینگے۔اس نے ایک ایک لفظ پہ زور دے کر کہا۔علی نے کن اکھیوں سے اسکی طرف دیکھا۔وہ تپی ہوئی نظر آرہی تھی۔

نہیں بھاگوں گا تمہیں چھوڑ کر۔فکر مت کرو۔وہ سخت لہجے میں بولا۔گاڑی اب ایک ایسے علاقے میں داخل ہو گئی تھی جہاں زیادہ تر متمول لوگ آباد تھے۔اس نے چپ سادھ لی۔کچھ دیر بعد علی نے گاڑی جدید طرز پہ بنے اپارٹمنٹس کے سامنے روک دی۔اور اسے اترنے کا اشارہ کر کے گاڑی سے اترا پچھلی سیٹ سے شاپرز اٹھائے اور اسکے لیئے رک گیا۔اسنے اپنا بیگ اٹھایا اور گاڑی سے اتری۔علی نے گاڑی لاک کی اور قدم آگے بڑھا دیئے۔وہ اسکے پیچھے تھی۔انکا اپارٹمنٹ چوتھی منزل پہ تھا وہ لفٹ کے ذریعے وہاں تک پہنچے اور علی نے بائیں طرف کی راہداری میں چوتھے اپارٹمنٹ کا دروازہ چابی سے کھولا۔وہ اس سے ایک قدم پیچھے تھی۔علی نے شاپرز لاؤنج کے میز پہ رکھے اور اسکی طرف پلٹا۔

میں جا رہا ہوں۔یہ لو چابیاں۔دروازہ اچھی طرح لاک کر لینا۔اس نے چابیاں اسے تھمائیں۔

ناشتہ تو کر لیں وہ بے اختیار بول پڑی۔

تم کر لینا۔وہ خشک لہجے میں بولتے ہوئے آگے بڑھا حمنیٰ نے بلا ارادہ ہی اسکی بازو تھام کر اسے

روکا۔

آپ واپس کب آئینگے؟ وہ اسکے قریب کھڑی اس سے پوچھ رہی تھی۔ علی نے نظروں کا زاویہ اسکی جانب موڑا وہ ایک دراز قد لڑکی تھی اسکا سر اسکے شانے تک پہنچتا تھا۔

آجاؤں گا۔ وہ ازحد سنجیدہ لہجے میں بولا۔

کب؟

دیکھو۔۔۔ آ۔۔۔ تمہارا نام کیا ہے؟ وہ اسکا نام بھول چکا تھا۔ حمنیٰ کے ہاتھوں کی گرفت اسکے بازو پہ کمزور ہو گئی۔

حمنیٰ۔ اسے اپنی آواز گہری کھائی سے آتی محسوس ہوئی۔

ہاں۔۔ حمنیٰ! میں ایک جوان لڑکی کو تنہا چھوڑ کر بھاگ جانے والا گھٹیا پن کبھی نہیں کر سکتا کیونکہ بد قسمتی سے تم میری منکوحہ بھی ہو اسلیئے جب تک تمہارا فیصلہ بدل نہیں جاتا تمہاری محافظت کی ذمے داری مجھ پر ہی عائد ہوتی ہے۔ وہ کچھ سنجیدہ کچھ اکھڑا اکھڑا سا نظر آرہا تھا۔

منکوحہ ہی نہیں بیوی بھی ہوں آپکی۔ اسنے جتایا تھا۔ علی نے نرمی سے اپنا بازو چھڑوایا۔

دروازہ اچھی طرح بند کرلو۔ وہ بات بدل کر دروازے کی جانب بڑھ گیا تھا۔ وہ وہیں کھڑی رہی وہ دروازی کھول کر اسکی طرف پلٹا۔

دروازہ بند کرو آکر۔ اس نے پھر اسے پکارا تو وہ گہری سانس بھر کر آگے بڑھی اور اسکے جاتے ہی دروازہ بند کر کے واپس پلٹ آئی۔ یہ ایک ویل فرنشڈ اپارٹمنٹ تھا۔ ایک ماسٹر بیڈروم تھا

جس سے ملحق بالکونی سے باہر کا ویو بہت زبردست نظر آتا تھا۔ماسٹر بیڈ روم سے باہر آؤ تو ایک بڑا سا لاؤنج تھا جس کے ساتھ ہی اوپن کچن تھا۔بیڈ روم کیساتھ ایک کمرہ تھا جو ڈرائنگ روم کے طور پہ استعمال کیا جا سکتا تھا۔لاؤنج میں ہی ایک جانب ایک چھوٹا ڈائننگ ٹیبل اور چار کرسیاں رکھی تھیں۔اس نے گھوم کر سارے اپارٹمنٹ کا جائزہ لینے کے بعد کھانے کے شاپرز اٹھا کر کچن میں کاؤنٹر پہ رکھے اور کیبنٹس کھول کر چائے کا سامان تلاش کرنے لگی مگر اسے مایوسی ہوئی تھی خالی کیبنٹس اسکا منہ چڑا رہے تھے۔اسنے گہری سانس بھر کر شاپرز چیک کیئے۔ان میں اتنا کھانا موجود تھا کہ وہ آرام سے سارا دن گزار سکتی تھی۔لہٰذا اسنے اطمینان سے ناشتہ کیا اور اپنے کپڑے ماسٹر بیڈ روم کی وارڈروب میں سیٹ کرنے لگی۔

علی کی واپسی رات کو بارہ بجے ہوئی تھی۔وہ تب تک جی بھر کر بور ہو چکی تھی۔علی اپنے پاس موجود چابی سے دروازہ کھول کر اندر آیا تھا۔وہ لاؤنج میں کاؤچ پہ آڑی ترچھی لیٹی ہوئی تھی۔اسکی آہٹ پہ اٹھ بیٹھی۔وہ فل آرمی یونیفارم میں ملبوس بہت ہی شاندار نظر آرہا تھا دائیں ہاتھ میں ایک چھوٹا سفری بیگ تھام رکھا تھا۔

اسلام علیکم! وہ جلدی سے بولی۔

وعلیکم السلام! وہ سنجیدگی سے جواب دیکر بیڈ روم کیطرف بڑھ گیا۔وہ کچھ دیر وہیں بیٹھی رہی پھر خود بھی اٹھ کر بیڈ روم میں داخل ہوئی۔علی کا سفری بیگ بستر پہ کھلا پڑا تھا اور وہ خود غالباً باتھ روم میں تھا۔اس نے بیگ بند کر کے اٹھا کر وارڈروب میں رکھ دیا۔پھر کچھ سوچ کر کچن

میں آئی۔فریج میں اب تک کھانا رکھا تھا۔اسنے پھرتی سے چاول گرم کئے اور پلیٹ میں نکال کر کمرے میں لے آئی۔وہ تب تک نہا کر نکل آیا تھا۔سیاہ ٹراؤزر پہ سفید بنیان پہنے تولیہ گلے میں ڈالے وہ آئینے کے سامنے کھڑا اپنے گیلے بالوں کو ہاتھوں سے سنوار رہا تھا۔

کھانا۔اس نے پلیٹ میز پہ رکھی۔علی نے پلٹ کر اسکی طرف دیکھا پھر گلے سے تولیہ اتار کر اپنے بالوں کو خشک کرتا اسکے قریب آیا۔اسکے کسرتی بازو بہت نمایاں ہو رہے تھے وہ جھجھک سی گئی۔

تم نے کھانا نہیں کھایا؟تولیہ اسکے ہاتھ میں تھماتے ہوئے اس نے نارمل سے لہجے میں اس سے ہو چھا۔

کھایا تھا۔اس نے جواب دیا اور اسکے پاس سے ہٹ کر بالکونی میں نکلی اور تولیہ ریلنگ پہ ڈال کر واپس اندر آئی وہ صوفے پہ بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔

کچن میں کوئی سامان ہی نہیں ہے۔اور ٹی وی پہ کیبل بھی نہیں ہے۔اس نے اسے بتایا۔

کل سب کچھ آجائیگا۔وہ مختصر بات کرنے کا عادی معلوم ہوتا تھا۔وہ چپ چاپ بستر کے ایک کنارے پہ بیٹھ گئی اور پاؤں سمیٹ کر گردن موڑ کر علی کی طرف دیکھنے لگی۔اسکے گیلے بال پیشانی پہ چپکے ہوئے تھے۔ہلکی ہلکی بڑھی ہوئی شیو اسکے چہرے پہ بہت بھلی لگتی تھی۔ناک کسی یونانی دیوتا کیطرح کھڑی اور مغرور سی تھی۔آنکھوں میں بیک وقت شام کی لالی اور دھوپ کے سنہرے پن کا عکس تھا۔اسکا جسم ایکسر سائز کا عادی معلوم ہوتا تھا اور وہ مجموعی طور پر ایک بہت پر کشش مرد تھا۔وہ بلا ارادہ اسے دیکھے گئی۔وہ اسکی نظروں کا ارتکاز محسوس کر کے اسکی طرف

متوجہ ہوا۔

کیا ہوا؟اس نے پوچھا۔

کچھ نہیں۔اس نے جلدی سے نظروں کا زاویہ بدل دیا۔علی کھانا کھا چکا تھا سو پلیٹ ہاتھ میں لیکر کمرے سے باہر نکل گیا۔وہ لیٹ گئی اور آنکھوں پہ ہاتھ رکھ لیا۔کچھ لمحوں بعد علی کے آنے کی آہٹ ہوئی۔پھر بالکونی کے دروازے کے کھلنے کی آواز آئی۔وہ کچھ دیر لیٹی رہی پھر آنکھوں سے بازو ہٹائی۔کمرے میں اندھیرا تھا اور علی اب تک بالکونی سے نہ لوٹا تھا۔وہ بستر سے اٹھی اور بالکونی کیطرف آئی۔باہر چودھویں کے چاند کی ٹھنڈی روشنی بکھری ہوئی تھی اور علی ریلنگ پہ ایک ہاتھ ٹیکے دوسرے ہاتھ میں سلگتے ہوئے سگریٹ کا ٹکڑا تھامے اپنے اندر زہر اتار رہا تھا۔وہ دروازے کے قریب ہی رک گئی۔آہٹ پر علی چونک کر پلٹا۔چاند کی روشنی میں حمنیٰ کا وجود دھندلایا ہوا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کیا ہوا؟ علی نے پوچھا۔وہ اس سمے چاندنی میں نہایا ہوا تھا۔

آپ سگریٹ بھی پیتے ہیں۔وہ اسکے مقابل آ کھڑی ہوئی۔

ہاں۔وہ شانے اچکا کر بولا۔

کیوں؟

میری مرضی۔اسکا لہجہ ڈھٹائی لیئے ہوئے تھا۔

فوجی ہو کر سموکنگ کرتے ہوئے شرم نہیں آتی آپکو۔اسکے انداز میں ملامت تھی۔

جاؤ جا کر سو جاؤ۔ میری لائف میں دخل اندازی مت کرو۔ اسے اسے شانوں سے پکڑ کر اسکا رخ کمرے کی جانب گھماتے ہوئے کھردرے لہجے میں کہا تھا۔ وہ ہتک محسوس کرتی ہوئی واپس کمرے میں آئی اور بستر پہ لیٹ کر علی کی اس بدتمیزی پہ کڑھنے لگی۔

اگلے روز صبح صبح نماز فجر کے بعد اس نے وارڈروب کھولی اور علی کے بیگ میں سے اسکے کپڑے نکال کر وارڈروب میں سیٹ کرنے لگی۔ علی ابھی جاگنگ سے نہ لوٹا تھا۔ اسکے لوٹنے تک وہ وارڈروب بالکل سیٹ کر چکی تھی۔ علی کی واپسی ذرا دیر سے ہوئی تھی۔ وہ کچن کا کچھ سامان لے آیا تھا۔

یہ چیک کر لو اسکے علاوہ جو چاہیئے اسکی لسٹ بنا دینا۔ اسنے شاپر زاسے تھماتے ہوئے کہا۔ تو اسنے سر ہلا دیا۔ وہ کمرے کیجانب بڑھ گیا۔ وہ سامان لیئے کچن میں چلی آئی اور سامان سیٹ کرنے لگی۔ دو منٹ ہی گزرے ہونگے کہ وہ آگ بگولا سا ہوتا کمرے سے برآمد ہوا اور سیدھا اسکے سر پہ آ کھڑا ہوا۔

تم نے میرے کپڑوں کو ہاتھ کیوں لگایا۔ وہ دھاڑا۔ حمنیٰ نے ناگواری سے اسکی طرف دیکھا۔

سیٹ کیئے ہیں آپکے کپڑے میں نے۔ اسنے تیکھے لہجے میں جواب دیا۔

میرے کسی کام کو ہاتھ مت لگایا کرو تم۔ وہ بلاوجہ ہتھے سے اکھڑ رہا تھا۔

آپکو کسی نے بات کرنے کی تمیز بھی نہیں سکھائی۔ وہ کوئی چھوئی موئی سی لڑکی تو نہ تھی جو اس سے ڈر کر چپ ہو جاتی۔ وہ تو ایک مضبوط قوت ارادی کی حامل دلیر لڑکی تھی۔

شٹ اپ۔وہ بڑبڑا کر پلٹ گیا۔وہ ناگواری سے اسے کمرے میں جاتا دیکھے گئی۔بد تمیزی کی حد ہے۔وہ زیر لب بڑبڑا کر پھر سے سامان سیٹ کرنے لگی۔

رات کو وہ ایک بجے تک علی کا انتظار کرتے کرتے آخر تھک کر سو گئی تھی اگلی صبح فجر کے وقت آنکھ کھلی تو اسنے علی کو جاگنگ کیلیئے تیار دیکھا۔اس سے بات کرنے کا بھی دل نہ کر رہا تھا اسلیئے اسے مخاطب کیئے بناء ہی اٹھ کر واش روم میں چلی گئی۔ضروریات سے فارغ ہو کر وضو کیا اور واش روم سے باہر آکر چادر اچھی طرح اپنے گرد لپیٹی کر نماز ادا کرنے لگی۔علی جا چکا تھا۔نماز کے بعد اس نے اپنا دوپٹہ نکالنے کیلیئے وارڈروب کھولی تو علی کے کپڑوں کے گولے اسکے قدموں میں آ گرے۔ساری وارڈروب کسی کباڑ خانے کا منظر پیش کر رہی تھی۔اس نے دانت پیس کر وارڈروب بند کر دی۔اور کچن میں چلی آئی۔اپنے اور علی کیلیئے ناشتہ تیار کرنے لگی تبھی علی بھی آ گیا۔لیکن اس سے مخاطب ہوئے بغیر ہی کمرے میں چلا گیا۔اس نے ناشتہ تیار کر کے ٹرے میں سیٹ کیا اور کمرے میں چلی آئی۔وہ آرمی کے فل یونیفارم میں ملبوس آئینے کے سامنے کھڑا اپنے بال سیٹ کر رہا تھا۔

ناشتہ کر لیں۔اس نے ٹرے میز پہ رکھتے ہوئے کہا۔

تم نے کیوں زحمت کی۔میں میس پہ کر لوں گا جا کر۔وہ پر تکلف لہجے میں بولا۔

اس میں زحمت کی کیا بات ہے۔دو لوگوں کا ناشتہ بنانے میں کتنی دیر لگتی ہے۔اس نے عام سے لہجے میں جواب دیا۔

تم میرا کوئی کام مت کیا کرو۔کل بھی سمجھایا تھا تمہیں میں نے۔وہ اسکی طرف پلٹ کر درشت لہجے میں بولا۔حمنیٰ نے ایک تفصیلی نظر اپنے انتہائی سڑیل شوہر پہ ڈالی جسکی فراخ پیشانی پہ پڑی شکنیں سوتے میں بھی وضح رہتی تھیں۔

آپ اس قدر روڈ کیوں ہیں؟اس نے ماتھے پہ بل ڈال کر پوچھا۔

میں کسی فضول بات کا جواب نہیں دیتا۔وہ بیڈ سائیڈ ٹیبل کیطرف بڑھتے ہوئے سرد لہجے میں بولا۔

مگر یہ کوئی فضول سوال تو نہیں ہے۔ایکچوئیلی جہاں تک مجھے انسانی نفسیات کا علم ہے تو کسی بھی انسان کے ایٹیٹیوڈ اور آدم بیزار اپنے خول میں بند رہنے والے رویے کے پیچھے ماضی کی کوئی گرہ کوئی ٹریجڈی کارفرما ہوتی ہے۔تو کیا آپکی لائف میں بھی کوئی ٹریجڈی ہے؟وہ نارمل سے انداز میں پوچھ رہی تھی۔گزشتہ چند روز کے ذہنی دباؤ کے بعد اب اس گھر میں آکر اس نے یہ سوچ لیا تھا کہ جب زندگی اسی انسان کیساتھ گزارنی ہے تو اتنی اجنبیت کیساتھ کیوں گزاری جائے۔سو وہ پرانی والی حمنیٰ بن گئی تھی۔جو ایک ذہین اور دوسروں کے مسائل حل کرنے والی لڑکی تھی۔

That's none of your business۔

اپنی کلائی پہ گھڑی باندھتے ہوئے اس نے خشک لہجے میں جواب دیا۔

That is my business۔

میں آپکی بیوی ہوں۔آپکی اور میری زندگی ایک دوسرے سے انٹر کنیکٹڈ ہے۔وہ دوبدو بولی۔
علی نے ایک تنبیہہ کرنے والی نظر اس پہ ڈالی۔اور آگے بڑھ گئی۔

ناشتہ تو کر لیں۔اسنے بلند آواز میں کہا مگر وہ سر پہ کیپ جما کر کمرے سے نکل گیا۔

ایسا بھی کیا انسان بد تمیز ہو۔وہ چڑ کر بڑبڑائی۔پھر اس نے اطمینان سے ناشتہ کیا۔سکے بعد برتن دھو کر رکھے۔کچھ ہی دیر بعد علی کا بھیجا ہوا بیٹ مین آدھمکا تھا اس نے اپنی نگرانی میں ٹی وی پہ کیبل لگوایا پھر علی کی ہدایت کے مطابق اسے سامان کی لسٹ بنا کر دینے کا کہا۔اسنے لسٹ بنا دی کچھ دیر بعد وہ سامان چھوڑ کر چلا گیا۔اسنے ٹی وی آن کیا اور مزے سے سامان سیٹ کرنے لگی۔
پھر دوپہر کا کھانا بنا کر ظہر کی نماز پڑھی۔اسکے بعد کھانا کھایا اور کچھ دیر کیلیئے سو گئی۔شام کو اٹھ کر اسنے سب سے پہلے وارڈروب پھر سے درست کی۔اسکے بعد شام کی چائے اور کھانے تک اور کھانے کے بعد بھی کافی دیر تک وہ علی کا انتظار کرتی رہی مگر وہ نہ آیا تھا۔تھک کر وہ سو گئی۔

تم نے میرے کپڑوں کو ٹچ کرنے کی جرات بھی کیسے کی۔اگلی صبح وہ پھر اسکے سر پہ کھڑا دھاڑ رہا تھا۔وہ اس وقت ڈریسنگ ٹیبل کی دراز میں کچھ تلاش کر رہی تھی۔اسکی دھاڑ پہ پلٹی۔وہ ابھی ابھی نہا کر آیا تھا اور اسکے جسم پر سیاہ ٹراؤزر اور سفید بنیان تھی۔فوجی کٹ بال گیلے ہو کر ماتھے پہ چپکے ہوئے تھے۔

صرف ٹچ نہیں کیا سیٹ کیئے آپکے میسڈ اپ کپڑے۔اس نے نارمل لہجے میں جواب دیا اور پھر سے پلٹ کر ڈریسنگ ٹیبل کی دراز گھنگالنے لگی۔

تمہیں یہ نیک کام کرنے کو کس نے کہا تھا۔وہ غصے سے کف اڑا رہا تھا۔

میرے دل نے۔اسنے کمال اطمینان سے جواب دیا۔

Don't you dare touch my things again ۔

اس نے اسے بازو سے پکڑ کر ایک جھٹکے سے اسکا رخ اپنی جانب موڑا۔اپنی یہ مفت خدمات اپنے پاس رکھو۔

کیا میں کھا گئی ہوں آپکے کپڑوں کو جو آپ اسطرح اوورری ایکٹ کر رہے ہیں۔وہ بگڑے ہوئے لہجے میں بولی۔

جسٹ شٹ اپ۔علی کی آواز بلند ہوئی تو حمنیٰ نے ایک جھٹکے کیساتھ اپنی کلائی اسکی گرفت سے جھڑوائی اور تیر کیطرح وارڈروب کیطرف بڑھی۔اسکے دونوں پٹ کھول کر اسمیں سے صرف علی کے کپڑے نکال نکال کر فرش پر پھینکنے لگی۔علی جیسے اڑاتا ہوا اسکے سر پر آ پہنچا تھا۔

یہ کیا بدتمیزی ہے۔وہ گرجا۔حمنیٰ کے ہاتھ بہت سرعت سے چل رہے تھے۔کمرے کے فرش پہ اچھا خاصا لنڈا بازار لگ چکا تھا۔

میں بدتمیزی کا جواب بدتمیزی سے ہی دیا کرتی ہوں۔وہ علی کے سب کپڑے زمین پر ڈھیر کر چکی تھی سو اطمینان سے ہاتھ جھاڑتے ہوئے بولی۔علی نے جھپٹ کر اسکی کلائی اپنی آہنی گرفت میں جکڑ لی۔

اوہ۔۔۔افففف۔۔۔وہ بے اختیار درد سے کراہ اٹھی۔

یہ سب کپڑے اٹھا کر اندر رکھو۔اسنے اسکی کلائی مروڑتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔حمنیٰ کے لبوں سے دبی دبی سسکی نکلی۔

آچ۔۔اچھا۔۔میں رکھ دیتی ہوں۔۔بازو چھوڑیں پلیز۔اس نے ہتھیار ڈال دیئے۔علی نے اسکا بازو چھوڑا۔وہ نم آنکھوں کیساتھ کپڑے اٹھا اٹھا کر وارڈروب میں رکھنے لگی وہ تب تک کسی سخت گیر استاد کیطرح اسکے سر پہ کھڑا رہا جب تک تمام کپڑے فرش سے دوبارہ وارڈروب میں منتقل نہ ہو گئے تھے۔اسکے بعد وہ اطمینان سے تیار ہو کر چلا گیا تھا جبکہ وہ منہ پھلا کر لاؤنج میں بیٹھی رہی۔آج اس نے علی کو ناشتہ بنا کر دینے کی غلطی نہ کی تھی۔

دھرتی کو گہری تاریکی نے اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔خلقت خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہی تھی۔اور ایسے میں علی مرتضیٰ اپنے گھر کی بالکونی میں کھڑا سگریٹ کے کش پہ کش لگا رہا تھا۔قریبی کلاک ٹاور نے رات کے دو بجے کا پتہ دیا تو اس نے ادھ جلی سگریٹ کو زمین پہ پھینک کر پاؤں سے مسلا اور کمرے میں چلا آیا۔دروازہ بند کر کے وہ سست روی سے چلتا بستر کے قریب آیا۔کمرے میں نائٹ بلب کی زرد سی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔اور بستر پر حمنیٰ آنکھوں پہ بازو رکھے گہری نیند سو رہی تھی۔وہ بھی لیٹ گیا۔اور گردن موڑ کر اپنے برابر سوئی ہوئی اپنی بیوی پہ نظر ڈالی۔اور پھر اسکی کلائی کو اسکی آنکھوں سے ہٹایا۔وہ ذرا سا کسمسائی۔اس نے اسکی کلائی پہ اپنی گرفت کو ذرا مضبوط کیا تو وہ پوری طرح بیدار ہو گئی۔

کیا ہوا؟اس نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

کچھ نہیں۔علی نے اسکی جانب کروٹ لیتے ہوئے سرگوشی کے سے انداز میں کہا۔

سوئے کیوں نہیں اب تک ؟اس نے بھی جواباً سرگوشی کی۔

نیند نہیں آرہی۔

سگریٹ پی رہے تھے۔اسکے قریب سے اٹھتی سگریٹ کی بو حمنیٰ کو ناگوار گزری تھی۔

ہاں۔۔اس نے سعادتمندی سے گردن ہلائی۔

سگریٹ کی بو مجھے بہت بری لگتی ہے۔وہ ناک چڑھا کر بولی۔جواباً علی نے اسکی دائیں کلائی کو اپنی گرفت میں جکڑا تو وہ بے اختیار کراہی۔

کیا ہوا؟ علی کو حیرت ہوئی۔

درد ہے بہت۔اس نے اپنی کلائی اسکی گرفت سے چھڑوالی۔تو علی کو یاد آیا کہ صبح اس نے اسکی اسی کلائی کو مروڑا تھا۔

زیادہ درد ہے۔اس نے نرمی سے اسکی کلائی تھام کر بہت مدھم انداز میں پوچھا۔حمنیٰ نے جواباً اثبات میں سر ہلایا۔

تو کیوں کرتی ہو میری زندگی میں مداخلت ؟اسکی نرم گرفت کے برخلاف تھا یہ سوال۔۔۔

حمنیٰ نے جواباً پورے حق سے اسکے بازو پہ سر رکھ دیا۔

آپکی زندگی میں مداخلت کرنے کا تو میرے پاس پرمٹ موجود ہے۔وہ مزے سے بولی۔ علی اسے گھور کر رہ گیا۔

آئندہ اگر میری چیزوں کو چھیڑا تو ہاتھ توڑ دوں گا۔اس نے اسے دھمکانا چاہا مگر حمنیٰ نے اسکی

بات کا اثر لیئے بنا اسکی گردن کے گرد بازو حمائل کر کے آنکھیں موند لیں۔ کھاریاں آنے کے بعد سے حمنیٰ کا ہر روز ایک نیا روپ علی مرتضیٰ کے سامنے تھا۔ وہ اسے خود سے دور نہ ہٹا سکا تھا۔

اگلی صبح وہ جاگنگ کر کے لوٹا تو حمنیٰ کو کچن میں مصروف پایا۔ وہ کمرے میں آیا اور وارڈروب کھولی تو اسے بالکل سیٹ پایا۔ اسنے گہری سانس بھری اور اپنی ہینگ شدہ وردی نکالی۔ بیڈ سائیڈ ٹیبل پر اسکا موبائل گھڑی اور والٹ بھی سلیقے سے رکھے ہوئے تھے۔ وہ سر جھٹک کر واش روم کی جانب بڑھ گیا۔ جب وہ تیار ہو کر واش روم سے نکلا تب تک وہ ناشتہ ٹرے میں سجا کر لے آئی تھی۔

ناشتہ کر لیں۔ اس نے ٹرے میز پہ رکھتے ہوئے اسے ہدایت جاری کی تو وہ چلتا ہوا اس تک آیا اور اسکی وہی کلائی تھام کر اسے خود سے قریب کیا جس میں اسے درد تھا۔

آئی تھنک تمہیں اپنے ہاتھ بازو تڑوا کر ہی چین ملے گا۔ اس نے غصے سے اسکی آنکھوں میں جھانکا تھا۔ حمنیٰ کے ہونٹوں سے درد کی شدت سے کراہ نکلی۔ علی نے اپنی گرفت نرم کی۔

یہ دیکھیں۔ اسنے آنسو بھری آنکھوں سے اپنی کلائی اسکے سامنے لہرائی جس پہ نیل بڑا واضح تھا۔ یہ صلہ دیتے ہیں آپ نیکی کا۔

تو کیوں کی نیکی تم نے؟ میں نے تو نہیں کہا تھا۔ وہ بے رخی سے بولا تو وہ احتجاجاً واک آؤٹ کر گئی۔ علی اطمینان سے صوفے پہ بیٹھا اور گرما گرم ناشتے سے لطف اندوز ہونے لگا۔

روزرات کو دیر تک سگریٹ سے شغل کرتے رہنا علی کا مشغلہ تھا۔ حمنیٰ کا کئی بار جی چاہتا کہ اسے منع کرے مگر اسکی بدمزاجی کے پیشِ نظر چپ کر جاتی تھی۔اسے یہاں آئے کئی روز ہونے کو آئے تھے اور اتنے دنوں میں اس نے گھر سے قدم بھی باہر نہ نکالا تھا۔آج اس نے علی سے کہیں باہر جانے کی اجازت لینے کا سوچا۔وہ اس وقت بالکل نک سک سے درست ناشتے میں مصروف تھا۔اس نے آج ناشتہ ڈائننگ ٹیبل پہ لگایا تھا سو خود بھی ایک کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

مجھے آپ سے ایک بات پوچھنی ہے۔اس نے ہمت کر کے کہا۔ علی نے استفہامیہ انداز میں اسکی جانب دیکھا۔

بولو۔

میں گھر میں بہت بور ہوتی ہوں تو کیا کبھی باہر چلی جایا کروں؟اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔ علی کی سنہری آنکھوں میں حیرت کے تاثرات ابھرے۔

یہ کیا کہہ رہی ہو۔وہ عجیب سے لہجے میں بولا۔

آئم سوری۔۔میں گھر پہ ہی ٹھیک ہوں۔اسے لگا کہ وہ برا مان گیا ہے اسلیئے جلدی سے اٹھ کر کچن کیطرف بڑھی مگر علی نے اسکی کلائی تھام کر اسے روکا اور خود بھی اٹھ کر اسکے مقابل آ کھڑا ہوا۔

تم اتنے دنوں سے ہر وقت گھر پہ رہتی ہو کیا؟وہ حیرت سے پوچھ رہا تھا۔ حمنیٰ نے پلکیں اٹھا کر اسکی طرف دیکھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

جی۔

لیکن کیوں؟

کیونکہ آپ سے اجازت نہیں لی ہوئی تھی کہیں باہر جانے کی۔اسکا لہجہ نارمل سا تھا۔علی نے بہت غور سے اسکے چہرے کی جانب دیکھا۔حمنیٰ کو حیرت ہوئی اسکے عجیب رویے پر۔

تم۔۔۔چلی جایا کرو باہر۔وہ کچھ کہتے کہتے رک کر بات بدل گیا۔

شکریہ۔وہ مسکرائی۔وہ بھی جواباً دھیما سا مسکرایا تھا۔سنہری آنکھوں کے گرد ہلکی ہلکی لائینیں پڑ گئیں تھیں۔وہ اپنی کلائی چھڑوا کر مڑ کے کچن میں چلی گئی۔علی پلٹ کر کمرے میں گیا اور چند لمحوں بعد اپنی کیپ سر پہ جمائے باہر آیا۔وہ کاؤنٹر کے پاس کھڑی انڈہ پھینٹ رہی تھی۔

جا رہے ہیں؟اس نے بلند آواز میں اس سے پوچھا۔

ہاں۔دروازہ بند کر لو۔اسکا لہجہ بہت نرم تھا۔وہ کچن سے نکل کر اسے پیچھے پیچھے آئی۔

وہ دروزے کے قریب رک کر پلٹا۔وہ بھی رک گئی۔علی نے دھیرے سے اسکے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیکر اسے خود سے قریب کیا۔اسکی گرفت میں نرمی تھی۔۔وہ مبہوت ہونے لگی۔بس ایک لمحے کا فسوں تھا اگلے ہی لمحے وہ اس کے ہاتھ چھوڑ کر دروزہ پار کر گیا تھا۔وہ عجیب سے احساسات میں گھری دروازی بند کر کے اندر واپس آئی۔ڈائننگ ٹیبل پہ علی کا چھوڑا ہوا ناشتہ رکھا ہوا ٹھنڈا ہو چکا تھا۔وہ وہیں بیٹھ کر اسکا ادھ کھایا ہوا ٹھنڈا یخ پراٹھا کھانے لگی تھی۔

اسی روز سہ پہر کے وقت وہ فراغت سے بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی جب اطلاعی گھنٹی بجنے لگی۔

وہ اٹھ کر دروازے تک آئی اور آئی ہول سے دیکھا۔ایک جوان لڑکی باہر کھڑی تھی۔اس نے دروازہ کھولا۔وہ ایک سولہ سترہ سالہ پیاری سی لڑکی تھی۔

اسلام علیکم ! میں عائشہ ہوں یہ ساتھ والے اپارٹمنٹ میں رہتی ہوں۔وہ خوش اخلاقی سے بولی۔

وعلیکم السلام ! آؤ آؤ۔' اسے خوشگوار حیرت محسوس ہوئی۔وہ اس لڑکی کو لیئے لاؤنج میں آ بیٹھی۔

میں نے آپکو ایک دو بار دیکھا ہے۔آپ لوگ ابھی نئے آئے ہیں ناں۔وہ صوفے پہ بیٹھتے ہوئے بولی۔

ہاں بس ابھی دس دن ہی ہوئے ہیں۔اس نے کچن کیطرف جاتے ہوئے کہا۔

میں ماما کو کہہ رہی تھی کہ ہم جاتے ہیں آپ سے ملنے مگر وہ بس سستی کر جاتی ہیں۔اسلیئے آج میں انکے بناء ہی آ گئی۔وہ لڑکی کافی بے تکلف سی معلوم ہوتی تھی۔

بہت اچھا کیا۔میں خود بھی سوچ رہی تھی کہ آس پڑوس میں کوئی جان پہچان کیسے پیدا کروں۔اس نے فریج سے کولڈ ڈرنک کی بوتل نکال کر کاؤنٹر پہ رکھتے ہوئے کہا۔

ارے آپی میں چائے پیئوں گی۔کولڈ ڈرنک سے گلا خراب ہو جاتا ہے۔وہ جلدی سے بولی۔

حمنیٰ نے ہنستے ہوئے اچھا کہہ کر کولڈ ڈرنک کی بوتل واپس فریج میں رکھ دی۔

کس کلاس میں پڑھتی ہو تم ؟اس نے چولہے پر چائے کا پانی چڑھاتے ہوئے پوچھا۔

فرسٹ ائیر میں ہوں۔وہ اب دونوں پاؤں سمیٹ کر صوفے ہی بیٹھ گئی تھی۔

سبجیکٹس کیا ہیں؟اس نے کیبنٹ سے کوکیز کا ڈبا نکال کر کاؤنٹر پہ رکھا۔

پری میڈیکل یار۔آپکے ہز بینڈ فوجی ہیں ناں۔

ہاں۔تم یہ بتاؤ چائے کیساتھ کیا لوگی؟اس نے کیبنٹس میں جھانکتے ہوئے اس سے پوچھا۔

جو آپکا دل کرے کھلا دیں۔وہ فراخدلی سے بولی۔

ہاہاہا اوکے۔وہ ہنستے ہوئے ابلتے پانی میں پتی ڈالنے لگی۔عائشہ کیساتھ باتیں کرتے ہوئے شام ہو گئی۔پھر عائشہ اس سے اپنے گھر آنے کا وعدہ لیکر واپس چلی گئی۔اس روز وہ بہت خوش تھی۔اس انجان شہر میں کسی کیساتھ جان پہچان بن جانا اسے غنیمت ہی لگا تھا۔

اگلے روز دوپہر کے کھانے کے بعد اس نے براؤن رنگ کا ڈیسنٹ سا شلوار قمیض نکال کر پہنا۔بالوں کی اونچی سی پونی بنائی۔آنکھوں میں کاجل ڈالا اور ہونٹوں پہ نیچرل شیڈ میں لپ گلوز لگا کر سوٹ کا ہم رنگ دوپٹہ سلیقے سے سر اور سینے پہ پھیلا کر گھر سے نکلی۔دروازہ لاک کر کے وہ برابر والے اپارٹمنٹ کے دروازے تک آئی اور کال بیل کا بٹن دبایا۔اندر کہیں گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی پھر قدموں کی آہٹ ابھری اور دروازہ کھل گیا۔عائشہ سامنے کھڑی حمنیٰ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔

ارے حمنیٰ آپی آئیں اندر آئیں۔وہ ایکسائیٹڈ ہو کر بولی۔تو وہ مسکراتے ہوئے اندر داخل ہوئی۔

عائشہ اسے لیئے سٹنگ روم میں آئی۔آپ بیٹھیں میں ماما کو بلاتی ہوں۔وہ ایک صوفے کی جانب اشارہ کر کے کمرے سے چلی گئی۔وہ صوفے پہ بیٹھ گئی۔چند ہی لمحوں بعد عائشہ کی آمد ہوئی تھی اسکے ہمراہ ایک ادھیڑ عمر کی مشفق سی خاتون بھی تھیں۔حمنیٰ تعظیماً اٹھ کھڑی ہوئی۔

اسلام علیکم آنٹی۔

وعلیکم السلام بیٹا کیسی ہو؟انہوں نے شفقت سے اسکے سر پہ ہاتھ پھیرا۔

ٹھیک ہوں آنٹی آپ کیسی ہیں؟

اللہ کا کرم ہے بیٹا۔بیٹھو۔وہ صوفے کیطرف اشارہ کر کے خود بھی بیٹھ گئیں۔

وہ بھی دوبارہ بیٹھ گئی۔

اچھا کیا جو چلی آئی بیٹا۔میں بھی چکر لگانا چاہتی تھی مگر فرصت ہی نہیں ملتی۔وہ رسان سے بولیں تو وہ بس مسکرا دی۔

آتی جاتی رہا کرو بیٹا گھر پہ اکیلی بور نہیں ہو جاتی ہو۔

بور تو بہت ہوتی ہوں آنٹی مگر یہاں کسی سے جان پہچان ہی نہیں ہے میری۔

چلو اب تو ہم سے جان پہچان ہو گئی نا بیٹا۔آجایا کرو تمہیں بھی بوریت نہیں ہو گی اور عاشی کو بھی کمپنی مل جائیگی۔وہ پر شفقت انداز میں بولیں۔تو وہ مسکرا کر رہ گئی۔

حمنیٰ آپی آپ چائے لیں گی یا ٹھنڈا۔عائشہ کو مہمانداری کے تقاضے یاد آئے۔

فی الحال کچھ بھی نہیں۔اس نے مسکرا کر سہولت سے انکار کر دیا۔

اچھا میں آتی ہوں۔عائشہ اٹھ کر چلی گئی۔

کتنا عرصہ ہو گیا ہے آپ کے شادی کو؟آنٹی نے پوچھا۔

ابھی ایک ماہ نہیں ہوا۔

اچھا پھر تو نئی نویلی دلہن ہوا بھی۔وہ مسکرائیں۔وہ بھی جبراً مسکرائی۔

فوجی ہے میاں تمہارا تو اسے کیا سرکاری گھر نہیں ملا؟

نہیں آنٹی ابھی ہائیر نگ نہیں ہوئی۔امید ہے جلد گھر مل جائیگا پھر ہم وہاں موو کر جائینگے۔وہ بولی۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اچھا اچھا۔انہوں نے سر ہلایا۔پھر وہ اسے اپنے میاں کے متعلق بتانے لگیں جو گورنمنٹ ملازم تھے پھر بات انکے سسرال کی ناچاقیوں پہ آگئی اور آخر میں صرف ایک ہی اولاد ہونے کا شکوہ بھی انکے لبوں پہ آگیا تھا وہ چپ چاپ سنتی رہی۔پھر عائشہ کچھ سینڈوچز اور کوکیز لیئے چلی آئی تو گفتگو کا رخ حمنیٰ کی طرف پلٹ گیا۔

ارے یار میں کھانا کھا کر آئی تھی۔تم نے بلاوجہ اتنا تکلف کیا۔اس نے جلدی سے کہا۔تو عائشہ نے سینڈوچز کی پلیٹ اسکی جانب بڑھائی۔

ایک سینڈوچ سے ناں آپ موٹی نہیں ہو جائینگی۔عائشہ نے اسے چھیڑا تو اس نے ہنستے ہوئے ایک سینڈوچ اٹھالیا۔

میں بالکل بھی ڈائٹ کانشس نہیں ہوں یار۔

ہونا بھی نہیں چاہیئے یہی تو عمر ہوتی جب انسان کو کھانے پینے کا بھی مزہ آتا ہے۔پھر بڑھاپے میں تو سو طرح کے مسائل ہوتے ہیں۔ کبھی دانت خراب تو کبھی معدہ خراب۔۔زندگی کا سارا حسن ہی جاتا رہتا ہے۔آنٹی نے کہا تو وہ دونوں ہنسنے لگیں۔

ماما کی اسی منطق کیوجہ سے میں اتنی موٹی ہو گئی ہوں۔یہ مجھے کبھی ڈائٹنگ نہیں کرنے دیتیں۔ عائشہ نے دہائی دی۔حالانکہ وہ موٹی نہ تھی بس قدرے بھرا بھرا جسم تھا اسکا۔

تم موٹی تو نہیں ہو۔اب بالکل سوکھی ہوئی لڑکیاں بھی اچھی نہیں لگتیں۔حمنیٰ نے صاف گوئی سے کہا۔

تو اور کیا۔اب یہ حمنیٰ کو دیکھو ماشاءاللہ قد کاٹھ بھی اچھا ہے اور فگر بھی متناسب ہے۔آجکل کی باقی لڑکیوں کی طرح بالکل چھپکلی سی تو نہیں لگتی ناں۔آنٹی کو دبلی پتلی سینک سلائی لڑکیاں ایک آنکھ نہ بھاتی تھیں۔

حمنیٰ آپی تو بہت پیاری ہیں اور ماما آپ نے انکے ہز بینڈ نہیں دیکھے بہت ہینڈسم ہیں۔ویسے آپی آپ دونوں کا کپل تو بہت ہی آئیڈیل لگتا ہو گا۔عائشہ نے توصیفی انداز میں کہا تو اسکے ہونٹوں پہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

ماشاءاللہ بولو بیٹا اللہ دونوں کو صدا خوشی رکھے۔آنٹی فوراً سے بولیں۔وہ بس مصنوعی مسکراہٹ چہرے پہ سجائے رہی۔اپنے اور علی کے رشتے میں موجود خلیج کو پاٹنا نجانے کبھی اسکے لیئے ممکن بھی ہو گا یا نہیں۔اسکا دل اداس ہونے لگا تھا۔

وہ آج خلاف معمول جلدی گھر آ گیا تھا۔ حمنیٰ اس وقت مغرب کی نماز ادا کر رہی تھی۔ وہ کپڑے تبدیل کر کے بستر پہ نیم دراز ہو گیا اور آنکھوں پہ بازو رکھ لیا۔ سر میں درد تھا اور چائے کی سخت طلب محسوس ہو رہی تھی اور حمنیٰ کی نماز تھی کہ ختم ہونے پہ ہی نہ آ رہی تھی۔ وہ انگلیوں سے اپنی کنپٹیوں کو دبانے لگا۔ خدا خدا کر کے حمنیٰ کی نماز ختم ہوئی اور وہ جائے نماز کا کونا موڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ دوپٹہ سر سے اتارتے ہوئے وہ اسکی طرف پلٹی۔

اسلام علیکم! وہ سنجیدہ لہجے میں بولتی دوپٹہ سر سے اتار کر گلے میں ڈالتی ہوئی ڈریسنگ ٹیبل کیطرف بڑھ گئی۔

وعلیکم السلام! ایک کپ چائے بنا دو اور سر درد کی کوئی ٹیبلٹ ہے تو دیدو۔ اس نے لئے دیئے سے انداز میں اسے آرڈر دیا تو اپنے ہاتھوں پہ لوشن لگاتی حمنیٰ نے ایک سنجیدہ سی نظر اس پہ ڈالی اور پھر جی کہہ کر کمرے سے نکل کر کچن میں آئی۔ جھٹ پٹ چائے بنا کر اور سر درد کی ایک گولی لے کر وہ واپس کمرے میں آئی تو وہ آنکھوں پہ بازو رکھے لیٹا ہوا تھا۔ وہ چلتی ہوئی بستر کے قریب آئی اور چائے کا مگ اور ٹیبلٹ سائیڈ ٹیبل پہ رکھے۔

چائے لے لیں۔ وہ بولی۔ علی نے آنکھوں سے بازو ہٹا کر اسکی طرف دیکھا۔ اسکی ہیزل براؤن آنکھوں میں گلابی ڈورے تیر رہے تھے۔ نجانے کیوں حمنیٰ کو لگا کہ اسکی طبیعت ٹھیک نہیں ہے مگر اس سے کچھ پوچھتی تو پتہ نہیں کیسا الٹا جواب دیتا سو وہ پلٹ کر کمرے میں بکھری ہوئی چیزیں سمیٹنے لگی۔ علی نے ذرا سا اوپر ہو کر بیٹھتے ہوئے سائیڈ ٹیبل سے چائے کا مگ اٹھا لیا۔

حمنیٰ نے پلٹ کر بیڈ سائیڈ ٹیبل سے اپنا موبائل اٹھایا اور کاؤچ پہ جا بیٹھی۔ علی خاموشی سے چائے پیتا رہا۔ اس نے واٹس ایپ آن کیا۔ اسکے سب یونیورسٹی فیلوز کے ڈھیروں میسیجز آئے ہوئے تھے وہ فرداً فرداً سب کو جواب دینے لگی۔ سب کو اسکے شوہر کی تصویر دیکھنے کا اشتیاق تھا۔ اسنے علی کیطرف دیکھا۔ وہ چائے ختم کر کے اور گولی کھا کر لیٹ چکا تھا۔

علی۔ اس نے اسے پکارا۔

ہوں۔ اس نے آنکھوں سے بازو ہٹائے بنا کہا۔

آپکے موبائل میں ہماری شادی کی کوئی تصویر ہے؟ اس نے کچھ جھجھکتے ہوئے ہو چھا۔

نہیں۔ ایک حرفی جواب دیکر اسنے کروٹ بدل لی۔ وہ دل مسوس کر رہ گئی۔ شامین کو میسج کر دیا کہ اسکی شادی کی تصویریں بھیج دے اور اٹھ کر لاؤنج میں چلی آئی۔ ٹی وی لگا کر ڈرامہ دیکھنے لگی۔ نو بجے بھوک محسوس ہونے لگی تو کچن میں آئی۔ دوپہر کا سالن رکھا تھا۔ اسنے فریج سے آٹا نکال کر کاؤنٹر پہ رکھا۔ دفعتاً اسے خیال آیا کہ علی نے شام سے اب تک ایک کپ چائے کے علاوہ کچھ نہیں کھایا پیا تھا۔ اور اسکی طبیعت بھی کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔

ان سے پوچھ لیتی ہوں کہ کیا کھائیں گے۔ اس نے سوچا۔ پھر کچن سے نکل کر کمرے میں آئی۔ اور نائٹ بلب آن کر کے بستر کی طرف بڑھی۔ وہ ایک تکیئے پہ سر رکھے اوندھے منہ لیٹا ہوا تھا۔ بالکل بے سدھ۔۔۔

علی۔۔۔ اسنے اسے پکارا۔ مگر اسکے وجود میں کوئی جنبش نہ ہوئی۔ اس نے پھر اسے پکارا مگر جواب ندارد۔۔ جواب تو دور کی بات اسمیں تو ہلکی سی جنبش بھی نہ تھی۔ اس نے ذرا سا جھک کر

اسکے کاندھے پہ ہاتھ رکھا۔

علی۔۔۔اس نے اب کی بار قدرے بلند آواز میں پکارا۔وہ ہلکا سا کسمسایا تھا۔حمنیٰ کو یکلخت احساس ہوا کہ اسکا وجود بخار سے تپ رہا تھا۔وہ کچھ پریشان سی ہوتی اسکے قریب ہی بیٹھ گئی۔اور اسکی پیشانی کو چھوا۔وہ بھی جل رہی تھی۔

علی! آنکھیں کھولیں۔اس نے دھیرے سے اسکا گال تھپتھپایا۔

ہوں۔۔۔وہ جیسے کراہا تھا۔اب تو حمنیٰ کی پریشانی حد سے سوا ہو گئی۔علی بالکل ہوش و خرد سے بیگانہ پڑا گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔وہ اٹھ کر تیزی سے کمرے سے باہر نکلی اور پاؤں میں چپلیں پہن کر گھر سے باہر آئی جلدی سے برابر والے اپارٹمنٹ کی بیل بجائی۔دروازہ عائشہ کے ابو نے کھولا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

انکل میں برابر والے گھر سے آئی ہوں۔وہ میرے ہز بینڈ کی طبیعت بہت خراب ہے وہ آنکھیں ہی نہیں کھول رہے۔وہ روہانسی سی ہو گئی۔

اوہ بیٹا آپ اندر تو آؤ ناں۔انکل نے کہا ساتھ ہی منہ اندر گھما کر عائشہ کو آواز دے ڈالی۔

نہیں بس آپ پلیز میری ہیلپ کریں وہ آنکھیں بھی نہیں کھول رہے۔وہ پریشانی کی عالم میں کہتی جلدی سے اپنے اپارٹمنٹ کیطرف چلی گئی دروازہ کھلا ہی چھوڑ دیا تھا۔چند ہی لمحوں کی تاخیر سے آنٹی اور انکل بھی چلے آئے۔وہ علی کے سرہانے بیٹھی اسکا سر دبا رہی تھی۔انکل نے آگے بڑھ کر علی کے ماتھے پہ ہاتھ رکھا۔

کافی تیز بخار ہے۔میں ڈاکٹر کو لیکر آتا ہوں بیگم آپ یہیں رکیں۔انکل نے آنٹی سے کہا اور تیزی سے کمرے سے نکل گئے۔آنٹی اسکے پاس چلی آئیں۔

ہمت رکھو بیٹا۔ٹھیک ہو جائیگا۔انہوں نے اسکے شانے پہ ہاتھ رکھ کر تسلی آمیز انداز میں کہا۔

اتنا تیز بخار ہے آنٹی انہیں۔وہ پریشانی کے عالم میں بولی۔بے سدھ پڑے علی کو دیکھ کر نجانے کیوں اسے اپنا آپ اتنا بے امان لگنے لگا تھا۔

کوئی بات نہیں بیٹا۔موسم بدل رہا ہے ناں اسلیئے۔تم پریشان نہ ہو میری بچی۔انہوں نے پیار سے اسکا سر خود سے لگایا تو اسکی پلکیں نم ہونے لگیں۔

کچھ دیر بعد انکل ڈاکٹر کے ہمراہ چلے آئے۔ڈاکٹر نے علی کا بخار چیک کیا۔پھر اسے ایک انجکشن دیا اور کچھ دوایں لکھ دیں۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

موسمی بخار ہے۔دو سے تین دن مکمل آرام کروائیں اور سرد چیزوں سے پرہیز کروائیں۔اس نے نسخہ حمنیٰ کو تھماتے ہوئے پروفیشنل انداز میں کہا۔اس نے شکریے کیساتھ نسخہ تھام لیا۔ڈاکٹر کے جانے کے بعد انکل علی کی دوائیں لے آئے اور عائشہ اسے کھانا بنا کر دے گئی۔آنٹی اسے تسلیاں دیتی رہیں اور جاتے جاتے یہ ھدایت بھی کر گئیں کہ آدھی رات کو بھی اگر اسے کسی چیز کی ضرورت پڑے تو بلا جھجک بیل کر دے۔انکے جانے کے بعد اس نے عائشہ کا لایا ہوا کھانا فریج میں رکھ دیا۔بھوک تو جیسے مر ہی گئی تھی۔بجھے دل کیساتھ اسنے نماز پڑھی۔تب تک علی جاگ گیا تھا مگر آنکھیں موندے لیٹا تھا۔وہ اسکے قریب آئی اور جھک کر اسکے سینے پہ ہاتھ رکھا۔علی نے دھیرے سے آنکھیں کھولیں۔اسکی سنہری آنکھوں میں گلابی پن تھا۔

علی۔۔کچھ کھائیں گے ؟اس نے نرم لہجے میں پوچھا۔

ہوں۔۔۔وہ کھنکارا۔

یخنی بنادوں ؟اس نے اسکے بال ماتھے سے ہٹائے اسکی پیشانی جل رہی تھی۔

نہیں۔بریڈ ہے تو دیدو۔وہ مدھم مگر ہموار آواز میں بولا۔

اوکے۔سومت جائیگا۔کھانے کے بعد دوا بھی لینی ہے۔اسنے مدھم لہجے میں کہااور پلٹ کر کمرے سے نکل گئی۔

اگلے روز صبح صبح اس نے نماز کے بعد علی کیلیئے ناشتہ بنایااور علی کو جگا کر اسے ناشتہ دیا۔اسکے بعد دوا کھلا کر آرام کرنے کی ھدایت کر کے کچن میں چلی آئی۔علی کیلیئے بہت محنت سے چکن کارن سوپ بنایا۔اور کمرے میں جھانکا وہ بستر کے کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھا اپنا موبائل چیک کر رہا تھا۔

علی سوپ پیئیں گے ؟اس نے دروازے میں ہی رک کر پوچھا۔علی نے موبائل سے نظریں ہٹا کر اسکی طرف دیکھا۔

ہوں۔۔وہ ہنکارا بھر کر پھر سے موبائل کیطرف متوجہ ہو گیا۔وہ پلٹ کر کچن میں آئی اور سوپ پیالے میں نکال کر کمرے میں لے آئی۔علی ہنوز موبائل پہ مصروف تھا۔وہ بستر کے قریب چلی آئی اور سوپ کا پیالہ سائیڈ ٹیبل پہ رکھ کر خود بھی علی کے سامنے بیٹھ گئی۔

سوپ پی لیں۔اسنے نرمی سے اسکے بال سلجھائے تو اسنے ماتھے پہ بل ڈال کر اسکی طرف دیکھا۔

پی لوں گا جاؤ تم۔وہ اسکا ہاتھ جھٹک کر بیزاری سے بولا۔

میرے سامنے پیئیں۔بھوکے رہنے سے طبیعت مزید خراب ہو جائیگی۔یہ لیں شاباش۔اس نے سوپ کا پیالہ اٹھا کر زبردستی اسے تھمایا تو وہ ناک بھوں چڑھاتا سوپ پینے لگا۔وہ تب تک وہیں بیٹھی رہی جب تک اس نے پیالہ ختم نہ کر لیا تھا۔

اب جاؤ استانیوں کیطرح سر پہ مت بیٹھی رہو۔وہ پیالہ اسے تھما کر منہ پھلا کر بولا تو وہ مسکراتی ہوئی اٹھ کر کچن میں چلی آئی۔کل شام سے بھوکی تھی اب اگر کچھ نہ کھاتی تو بیہوش ہو جانا یقینی تھا سو ناشتہ بنا کر کھایا اسکے بعد برتن دھو کر رکھے۔اور پھر کمرے میں چلی آئی۔علی بستر پر اوندھا پڑا سو رہا تھا۔وہ بھی کاؤچ پہ جا بیٹھی اور اپنا موبائل اٹھا کر واٹس ایپ کھولا۔شامین کے پانچ میسیجز آئے ہوئے تھے۔وہ پانچوں اسکی اور علی کی شادی کی تصویریں تھی۔سرخ غرارا سوٹ میں مکمل دلہن بنی وہ اور اسکے برابر بلیک ڈنر سوٹ میں ملبوس شاندار سا علی۔۔انکی جوڑی واقعی شاندار تھی۔وہ دیکھتے دیکھتے کچھ ملول سی ہو گئی۔اپنے یونی فیلوز کے گروپ میں ایک تصویر بھیج کر کچھ دیر داد اور مبارکبادیاں وصول کرتی رہی پھر ظہر کا وقت ہوا تو اٹھ کر نماز پڑھی پھر اپنی وظائف والی کتاب کھول کر اسمیں سے بخار کی حالت میں کئے جانے والے دم کے اذکار والا صفحہ نکالا۔اور پھر وہ دم پڑھ کر اٹھ کے سوئے ہوئے علی پہ پھونک ماری اور پھر گلاس اٹھا کر اسمیں پانی انڈیلا زیر لب کچھ ورد کر کے پانی پہ پھونک ماری اور علی کا شانہ ہلایا وہ ہڑبڑا کر بیدار ہوا۔

کیا ہے؟ وہ سخت بیزار ہوا تھا۔

یہ پانی پی لیں۔اسنے گلاس اسکی طرف بڑھایا۔

کیوں پی لوں؟اسکا لہجہ پھاڑ کھانے والا تھا۔

دم کیا ہے اس پر۔

پاگل تو نہیں ہو تم۔اس نے ناک چڑھائی۔

اس میں پاگل والی کیا بات ہے۔قرآن کی کچھ آیات پڑھ کر دم کیا ہے پانی پر اسکو پینے سے آپ کا بخار اتر جائیگا۔اس نے متانت سے جواب دیا۔

دماغ مت خراب کرو میرا اس وقت۔وہ ہاتھ ہلا کر بد تمیزی سے بولا تو اسکا بھی میٹر گھوم گیا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

آپکا دماغ تو ہے ہی خراب۔اس نے سڑے ہوئے لہجے میں کہا اور گلاس سائیڈ ٹیبل پر پٹخ کر کمرے سے چلی گئی۔ علی چند لمحوں تک تو چت لیٹا چھت کو گھورتا رہا پھر جب بخار کی تپش ناقابل برداشت ہو گئی تو اٹھ بیٹھا اور سائیڈ ٹیبل سے گلاس اٹھا کر وہ دم کیا ہوا پانی گھونٹ گھونٹ اپنے اندر اتارنے لگا۔پانی پی کر وہ لیٹ گیا۔کچھ ہی دیر بعد اسے گہری نیند نے آلیا۔پھر اسکی آنکھ رات کو کھلی تھی۔اور شعور بیدار ہوتے ہی اسے اس بات کا احساس ہوا تھا کہ اسکا بخار اتر چکا تھا۔

دس سال قبل۔۔۔

علی کو بچپن سے ہی فوجی بننے کا جنون کی حد تک شوق تھا۔جب ہر چھ ماہ بعد بابا چھٹی پہ گھر آتے تو وہ گھنٹوں ان سے آرمی کی لائف کے متعلق سوالات کرتا رہتا۔اسکول میں چودہ اگست اور چھ ستمبر کے فنکشنز پہ وہ ہمیشہ فوجی بنتا تھا۔انٹر میڈیٹ تک وہ اور زوباریہ ایک ہی انسٹیٹیوٹ میں پڑھتے رہے اور پھر علی کو آرمی جوائن کرنے کے اپنے دیرینہ خواب کو پورا کرنے کا شوق ستایا۔ عمر نے گریجویشن کے بعد مقابلے کا امتحان دینے کی تیاری شروع کر دی تھی۔زوباریہ نے بزنس ایڈمنسٹریشن میں جانے کا فیصلہ کر لیا جبکہ علی نے آرمی کیلیئے ٹیسٹ دیا۔اسکا سیلیکشن بہت آسانی سے ہو گیا تھا اور اس روز اسکی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔اس نے ابو کو بذریعہ ٹیلی گرام مطلع کر دیا۔جبکہ گھر پہ امی عمر تایا تائی سب نے اس خوشی کو سیلیبریٹ کرنے کیلیئے ایک پارٹی منعقد کی تھی۔اسی تقریب میں زوباریہ کو اس سے منسوب کر دیا گیا۔وہ اس لمحے جیسے ساتویں آسمان پہ تھا مگر زوباریہ خوش نہ تھی۔جس روز علی کو کاکول اکیڈمی جانا تھا اس روز وہ صبح صبح اسکی طرف چلی آئی تھی اور روئی روئی آنکھوں سے اسے رکنے کا کہنے لگی تھی۔اس نے اسے یقین دلایا تھا کہ وہ اکیڈمی جا کر بھی اس سے مکمل رابطے میں رہے گا۔نجانے وہ سمجھی تھی یا نہیں مگر وہ اکیڈمی چلا آیا تھا۔یہاں آکر بھی وہ اپنی ریہ کو نہ بھولا تھا مگر اب اسکے ساتھ ہر وقت رابطے میں رہنا ناممکنات میں سے تھا۔وہ ہر ویک اینڈ پہ گھر کال کرتا تقریباً سبھی سے بات ہو جاتی مگر ریہ اس سے بات نہ کرتی تھی۔وہ جب بھی گھر آتا وہ اسے خفا ہی ملتی۔اور علی کا سارا وقت اسے منانے میں ہی صرف ہو جاتا تھا۔وہ اس پہ آرمی چھوڑ دینے کیلیئے دباؤ دیتی تو وہ غصے میں آجاتا اور اس طرح یہ منانے کا عمل مزید خفگی پہ تمام ہوتا۔بہر حال اسی طرح روٹھنے مناتے علی کی ٹریننگ کے دو سال تمام ہوئے۔پاسنگ آؤٹ پریڈ کے بعد وہ گھر آیا تو اسکی

خواہش کے مطابق اس کا اور زوباریہ کا نکاح کر دیا گیا تھا۔ عمر مقابلے کا امتحان پاس کر کے فارن سروسز جوائن کر چکا تھا اور آج کل بیلجیئم میں تعینات تھا۔ زوباریہ بی بی اے کے تیسرے سال میں تھی اور پڑھائی کیساتھ ساتھ وہ اپنے والد بزنس میں بھی دلچسپی لینے لگی تھی۔ اسکا ذہن بزنس کے اعداد و شمار میں بہت چلتا تھا اور تایا ابو کا خیال تھا کہ وہ بہت جلد ایک کامیاب بزنس وومن بننے کی صلاحیت رکھتی ہے علی اسکی کامیابیوں بے حد مسرور تھا۔ مگر زوباریہ کو اسکے آرمی جوائن کرنے کے فیصلے سے اب تک اختلاف تھا۔ پہلے پہل علی کو راولپنڈی میں تعینات کیا گیا۔ یہ وہ وقت تھا جب پاک آرمی جنوبی وزیرستان میں پاک افغانستان سرحد پہ دہشتگردوں کے خلاف برسرپیکار تھی۔ ڈیڑھ سال بعد علی کو بھی جنوبی وزیرستان ٹرانسفر کر دیا گیا۔ اس کی ٹرانسفر کے آرڈر کچھ ایسی عجلت میں آئے تھے کہ وہ گھر بھی نہ جا سکا تھا۔ اور محض فون کال پہ امی کو مطلع کر کے سر پر کفن باندھے میدان جنگ کی جانب چلا آیا۔ تب اسکے والد (جو کہ اب کرنل کے عہدے تک پہنچ چکے تھے) بھی وہیں تعینات تھے۔ اپنے ملک دشمنوں کے خلاف میدان میں لڑنا علی کیلیئے اعزاز کی بات تھی۔ ابھی اسے یہاں آئے ایک مہینہ ہی گزارا تھا کہ دہشتگردوں نے انکی ایک چیک پوسٹ پہ حملہ کر دیا۔ جس کے نتیجے میں چھ اعلیٰ آفیسرز نے جام شہادت نوش کیا۔ علی کے والد بھی ان ہی آفیسرز میں سے ایک تھے۔ وہ اپنی کمان کے میجر سے ریکوئسٹ کر کے اپنے والد کی آخری رسومات میں شرکت کرنے کیلیئے محض دو دن کیلیئے ایبٹ آباد آ سکا تھا۔ اسکے والد کو مکمل فوجی اعزازات کیساتھ دفنایا گیا تھا۔ اسی روز شام کو عمر بھی پاکستان پہنچ گیا تھا۔ غم سے نڈھال ماں کو سنبھالنا ان دونوں کیلیئے بڑا دشوار مرحلہ تھا۔ اسکو علی الصبح واپسی کیلیئے بھی نکلنا تھا۔ اس نے ماں کو صبر کی تلقین کی اور اپنے

کمرے میں چلا آیا۔ایبٹ آباد کے پہاڑوں پہ اس روز شام سے بادل کھل کر برس رہے تھے۔ سارے علاقے کے لوگ کرنل اشفاق مرتضیٰ کی شہادت کو اللہ کے حضور مقبول قرار دے رہے تھے کیونکہ ان کا جسد خاکی جب یہاں آیا تھا تب سے اب تک ایبٹ آباد کی سرزمین پہ آفتاب نے اپنی گرم شعاعیں نہ ڈالی تھیں۔۔ علی تیزی سے اپنا مختصر سا سامان بیگ میں رکھنے لگا۔

اسکے جاگنے کے کافی دیر بعد حمنیٰ کمرے میں آئی تھی۔اسکی طرف توجہ دیئے بناء وہ نماز ادا کرنے لگی۔وہ پینتالیس منٹ تک اسکی نماز ختم ہونے کا انتظار کرنے لگا۔جب اسکی نماز ختم ہوئی تو وہ اسے اپنی جانب متوجہ کرنے کیلیئے کھانسنے لگا۔وہ اسکے پاس آئی اور گلاس میں پانی انڈیل کر اسے تھمایا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Reviews

پانی پی لیں۔اسکا لہجہ سنجیدہ تھا۔علی نے گلاس تھام کر ایک گھونٹ لیا۔

کھانا کھائیں گے آپ؟وہ کچھ اکھڑی اکھڑی نظر آرہی تھی

ہاں سوپ پیئوں گا۔دوپہر والا۔وہ مدھم لہجے میں بولا۔

اچھا۔وہ کہہ کر جانے کو پلٹی۔

تم نے بنایا تھا سوپ؟اسنے جلدی سے پوچھا۔

جی۔وہ رک گئی مگر پلٹی نہیں۔

بہت ٹیسٹی تھا۔اسکا لہجہ دوستانہ تھا حمنیٰ نے ذرا سی گردن موڑ کر اسکی طرف دیکھا۔اسکے چہرے پہ ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

وہ جواب دیئے بناء کمرے سے نکل گئی تھی۔

وہ عشاء کی نماز کے بعد سونے کی غرض سے بستر پہ آ لیٹی۔علی کا بخار کل سے اتر چکا تھا مگر ابھی وہ گھر پہ ہی تھا۔اور اس وقت وہ بالکونی میں سگریٹ سے شغل کر رہا تھا۔وہ کچھ دیر لیٹ کر اسکے متعلق سوچتی رہی پھر اٹھ کی بالکونی میں نکل آئی۔وہ حسب توقع ریلنگ سے ٹیک لگائے سگریٹ پی رہا تھا۔اسے دیکھ کر چونک گیا۔

کیا ہوا تم سوئی نہیں؟

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

آپکا بخار کل ہی اترا ہے۔اس نے کڑے لہجے میں بات شروع کی۔

ہاں تو۔

تو آپ سگریٹ کیوں پی رہے ہیں؟

میری مرضی۔وہ شانے اچکا کر اکھڑ پن سے بولا تو حمنیٰ کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔اسنے تیر کیطرح آگے بڑھ کر اسکے ہاتھ سے ادھ جلی سگریٹ جھپٹ کر دور اچھال دی۔علی اسکی اس حرکت پر کچھ دیر کیلیئے دنگ ہی رہ گیا تھا اور جب تک اسکی حیرت ختم ہوئی وہ پلٹ کر واپس کمرے میں جا چکی تھی۔وہ طیش کے عالم میں اسکے پیچھے آیا۔وہ بستر پہ بیٹھی ہوئی تھی اس نے آگے بڑھ کر

اسے کندھوں سے تھام کر اپنے مقابل کیا۔

یہ تم نے کیا حرکت کی ہے؟ وہ غصیلے لہجے میں بولا۔

آپ کے پھیپھڑوں کو اتنی نکوٹین سے بچایا ہے جس سے ایک چوہا مر سکتا ہے۔ وہ اطمیان سے بولی۔

واٹ۔ اسکے ماتھ پہ بل پڑ گئے۔

دیکھیں ریسرچ سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک سگریٹ میں اتنی نکوٹین ہوتی ہے کہ جس سے ایک چوہے کی موت واقع ہو سکتی ہے۔ اب آپکے پھیپھڑوں میں چوہے تو رہتے نہیں ہیں جن کی نسل کشی کیلیئے آپکا ہر روز سگریٹ پینا ضروری ہو۔ اسلیئے میں نے پھینک دیا وہ سگریٹ۔ وہ مزے سے کہہ رہی تھی۔ علی نے جھلا کر اسے چھوڑا اور وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکنے کی بنا پر لڑکھڑا کے بستر پہ گر گئی۔

صرف وہ ایک سگریٹ ہی تو نہیں تھی میرے پاس۔ وہ کسی ڈھیٹ بچے کیطرح بولا اور جیب سے سگریٹ کی ڈبیا نکال کر اسے دکھائی۔

اوہ ویری گڈ اس میں پانچ چھ سگریٹ تو ہونگے ناں۔ وہ بستر پہ پاؤں اوپر کر کے بیٹھ گئی۔

پورے دس۔ وہ دوبدو بولا۔

گڈ۔۔ تو پھر آپکو میری طرف سے چیلنج ہے کہ آج رات اپنے پھیپھڑوں میں رہائش پذیر چوہوں میں سے کم از کم دس کا تو صفایا کر کے ہی دم لینگے آج آپ۔ گڈ نائٹ۔ وہ چڑانے والے

انداز میں کہہ کر سر سے پاؤں تک کمبل تان کر لیٹ گئی۔ علی بالکونی میں نکل آیا اور ایک سگریٹ سلگا کر ریلنگ سے ٹیک لگا کر ایک کش لیا۔۔۔دوسرا۔۔تیسرا۔۔پھر جھنجھلا کر سگریٹ دور پھینک دی۔اور پیر پٹختا ہوا کمرے میں واپس آیا۔سگریٹ کی ڈبیا اور لائٹر سائیڈ ٹیبل پہ رکھ کر بستر پہ گرنے کے سے انداز میں لیٹا۔حمنیٰ نے کمبل اپنے منہ سے ہٹایا۔

اتنی جلدی دس چوہے مار آئے۔اس نے معصومیت سے پوچھا۔جواباً علی نے اسکے بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر ہلکا سا جھٹکا دیا تو وہ سی کر کے رہ گئی۔

کتنے جنگلی ہیں آپ۔وہ برا سا منہ بنا کر بولی۔

تو پھر دور رہا کرو مجھ سے ورنہ کسی روز جان سے مار دونگا۔اس نے اسے دھمکی دی۔

مار دیں۔اسنے مسکرا کر اسکے فراخ سینے پہ سر رکھ دیا۔

کیوں اتنی ڈھیٹ ہو تم۔میرا ایک تھپڑ بھی برداشت نہیں کر سکو گی پتہ ہے ناں۔وہ جیسے عاجز آ کر بولا تھا۔

بیویاں تو ڈھیٹ ہی ہوتی ہیں۔وہ آنکھیں بند کیئے کیئے بولی تھی۔علی نے بے اختیار ایک گہری سانس بھری۔

پاگل ہو تم پوری۔اسکے گرد بازو حمائل کرتے ہوئے اسنے مدھم سرگوشی کی تھی۔

کہتے ہیں خوبصورت لڑکی اگر پاگل بھی ہو تو اس سے عشق ہو جاتا ہے۔اسکے پاس تو ہر بات کا جواب تیار رہتا تھا۔علی نے یکدم ایک جھٹکے سے اسے خود سے دور کیا۔سرعت سے اٹھا اور بیڈ

سائیڈ ٹیبل سے سگریٹ اور لائٹر اٹھا کر بالکونی میں نکل گیا۔بقیہ تمام رات اس نے سگریٹ پہ سگریٹ پھونکتے ہوئے گزاری تھی جبکہ حمنیٰ تمام رات اسکے نا قابل فہم رویے پہ غور کرتی رہی تھی۔

اگلے روز علی نماز فجر کے بعد جاگنگ کیلیئے نکل گیااور وہ قرآن کی تلاوت کرنے کے بعد کچن میں چلی آئی۔کافی سامان لانے والا تھا۔وہ وہیں کاؤنٹر کے پاس کھڑی ہو کر لسٹ بنانے لگی۔پھر لسٹ وہیں رکھ کر ناشتہ بنانے لگی۔اسی اثناء میں علی بھی آگیا۔

علی سنیں۔وہ کمرے کی طرف جارہا تھاجب اسنے اسے پکارا۔وہ رک کر پلٹا۔

بولو۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کچھ پیسے چاہئیں۔اس نے انڈہ پھینٹتے ہوئے کہا۔

کتنے ؟اس نے ماتھے سے پسینہ خشک کرتے ہوئے پوچھا۔

کچھ سودا سلف لانا ہے آئی ڈونٹ نو کتنے پیسے لگیں گے۔اس کو گھر کے سودا سلف کی خریداری کا کچھ خاص تجربہ نہ تھا یہ سب کام امی ہی کیا کرتی تھی۔وہ تو زیادہ سے زیادہ اپنے کپڑوں اور جوتوں کی خریداری کر لیتی تھی مگر تب بھی امی کا اسکے ساتھ ہونا لازمی امر ہوتا تھا۔

اچھا۔وہ کہہ کر پلٹ کے کمرے میں چلا گیا۔وہ انڈہ پھینٹ چکی تھی سو فرائنگ پین میں تیل ڈال کر آنچ درمیانی کر دی۔دو منٹ بعد علی کی واپسی ہوئی تھی وہ سیدھا اسی کے پاس چلا آیا۔

یہ لو۔اس نے کچھ نوٹ اسکی جانب بڑھائے۔ حمنیٰ نے وہ نوٹ تھام لیئے۔گنے بغیر بھی اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ یہ پیسے ضرورت سے کہیں زیادہ تھے۔

تھینک یو۔وہ مدھم آواز میں بولی۔

تم لے لیا کرو پیسے میرے والٹ سے جب تمہیں چاہئیں ہوں۔ علی نے اسکا شانہ ہولے سے تھپتھپا کر دوستانہ لہجے میں کہا تھا۔

آپ خود دے دیا کریں۔۔جب مجھے چاہیئے ہوں۔وہ اسکا جملہ اسی کو لوٹا کر فرائنگ پین کیجانب متوجہ ہو گئی تھی۔ علی نے ایک لحظہ کو رک کر بغور اسکی جانب دیکھا۔پھر شہادت کی انگلی سے اسکا گال نرمی سے چھو کر کمرے کیجانب چلا گیا۔ایک بے اختیار سی مسکراہٹ حمنیٰ کے ہونٹوں کو چھو گئی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

دوپہر تک چھوٹے موٹے کام نمٹانے کے بعد وہ کپڑے تبدیل کر کے سیاہ چادر اوڑھ کر والٹ ہاتھ میں لیئے اپارٹمنٹ سے باہر نکلی۔دروازہ لاک کیا اور برابر والے اپارٹمنٹ کی اطلاعی گھنٹی بجائی۔چند منٹوں کی تاخیر کے بعد عائشہ نے دروازہ کھولا تھا۔وہ اسے دیکھ کر ہمیشہ کیطرح بہت خوش ہوئی تھی۔

آئیں جناب۔وہ خوشدلی سے بولی تو وہ بھی مسکراتے ہوئے اندر چلی آئی۔آنٹی بھی لاؤنج میں ہی موجود تھیں وہ سلام کر کے وہیں بیٹھ گئی۔

علی کا کیا حال ہے اب بیٹا؟آنٹی نے اس سے دریافت کیا۔

بالکل ٹھیک ہیں آنٹی آج تو ڈیوٹی بھی جوائن کر لی انہوں نے پھر سے۔اس نے جواب دیا۔

حمنیٰ آپی اپنی شادی کہ پکچرز دکھائیں ناں۔عائشہ اسکے ساتھ آ بیٹھی۔اسنے اپنے موبائل میں سیو شدہ وہ پانچ تصویریں اسے دکھادیں جو شامین نے بھیجی تھیں۔

واؤ۔۔سوپریٹی۔۔عائشہ بے اختیار بولی۔

امیزنگ کپل۔ماما دیکھیں۔اس نے موبائل آنٹی کیطرف بڑھایا۔انہوں نے موبائل تھام کر اسکرین پہ نظر ڈالی۔

ماشاءاللہ۔بے اختیار انکے منہ سے نکلا تھا۔بہت پیاری جوڑی ہے۔اللہ نظر بد سے بچائے۔ انہوں نے موبائل واپس اسکی طرف بڑھاتے ہوئے کہا تو وہ مسکرادی۔

آنٹی مجھے کچن کی کچھ چیزیں خریدنی ہیں آپ میں سے کوئی مجھے مارکیٹ تک لیجائیں گے۔اس نے اپنے آنے کا مدعا بیان کیا۔

میں چلتی ہوں آپی۔مجھے بھی کچھ چیزیں لینی ہیں۔آپ دو منٹ بیٹھیں میں بس آئی۔عائشہ جلدی سے کہہ کر اٹھ کے اپنے کمرے کیطرف بڑھ گئی۔کچھ دیر بعد وہ دونوں قریبی مارکیٹ کیطرف روانہ ہو گئیں۔دن ڈھل رہا تھا اور ہلکی ہلکی ہوا چلنے لگی تھی۔وہ دونوں سڑک کنارے سست رفتار سے چل رہی تھیں۔

حمنیٰ آپی آپکی اور علی بھائی کی لو میرج ہے کیا؟ چلتے چلتے عائشہ نے اچانک پوچھا۔تو اسے اپنی شادی کا دن یاد آ گیا۔

نہیں یار ارینج میرج ہے۔اس نے جواب دیا۔سیدھی سڑک ختم ہونے پہ ہی نہ آ رہی تھی۔

اچھا لگتے تو آپ دونوں لو برڈز ہی ہیں ویسے۔وہ شرارت سے بولی تو وہ ہنسنے لگی۔

ارے نہیں یار ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔ہماری شادی اس قدر ارینج میرج ہے کہ ہم نے اک دوسرے کو پہلی بار دیکھا بھی شادی کے دن ہی تھا۔اس نے ہلکے پھلکے انداز میں جواب دیا۔تو عائشہ نے سر ہلا دیا۔باقی کا تمام رستہ وہ دونوں ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہی تھیں۔

جلدی سے تیار ہو جاؤ ہمیں ایک ڈنر پہ جانا ہے۔وہ مغرب کی نماز سے فارغ ہی ہوئی تھی کہ علی آگیا اور اسے آرڈر دے کر ڈریسنگ روم میں گھس گیا۔اس نے جائے نماز سمیٹی اور دوپٹہ سر سے اتار کر گلے میں ڈالتی وارڈروب کی جانب بڑھی۔نجانے کس طرح کا ڈنر تھا۔اسے کیسا لباس پہننا چاہیئے۔وہ وارڈروب میں قطار در قطار لٹکے کپڑوں پہ نظریں دوڑوتے ہوئے شش و پنج کا شکار تھی تبھی علی ڈریسنگ روم سے گھر کے آرام دہ شلوار قمیص میں ملبوس گیلے چہرے کو تولیے سے خشک کرتا ہوا باہر نکلا۔

کس قسم کی گیدرنگ ہے؟اس نے اس سے پوچھا۔

نہیں ایز سچ کوئی گیدرنگ نہیں ہے۔میرے ایک کولیگ میجر داؤد نے ہمیں اپنے گھر انوئیٹ کیا ہے۔دعوت ٹائپ سمجھ لو۔سو اتنا کوئی فارملی ڈریس اپ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔اس نے تفصیلاً بتایا تو اس نے سر ہلا دیا۔

کتنے بجے جانا ہے؟

آٹھ بجے۔وہ جواب دیکر کمرے سے چلا گیا۔ حمنیٰ نے دیوار گیر گھڑی کیجانب دیکھا۔شام کے ساڑھے چھ ہو چکے تھے۔

ابھی تو کافی وقت ہے۔اس نے خود کلامی کی اور پھر پلٹ کر وارڈروب میں لٹکے کپڑوں کیطرف متوجہ ہو گئی تبھی علی دوبارہ کمرے میں آیا۔

بات سنو یہ تم میرے لیپ ٹاپ کیساتھ کیا چھیڑ چھاڑ کرتی رہتی ہو۔اس نے آتے ہی اسے مخاطب کیا تھا۔

ہاں وہ شامین نے کچھ پکچرز بھیجی تھیں ہماری شادی کی تو وہ لیپ ٹاپ میں شفٹ کی تھیں۔اسنے پلٹے بغیر جواب دیا۔

کس کی اجازت سے تم نے میرے لیپ ٹاپ میں شادی کی پکچرز شفٹ کیں۔وہ اونچی آواز میں بولا۔

اجازت کی کیا بات ہے اس میں۔اسنے ایک سوٹ منتخب کر کے اسے باہر نکالا اور ہینگر ہاتھ میں لیئے ہوئے پلٹی۔ علی کمرے کے بیچوں بیچ تن کر کھڑا تھا کسی کھڑوس تھانیدار والے تاثرات چہرے پہ سجائے۔

میری چیزوں کو کوئی بھی میری اجازت کے بغیر استعمال کرنے کی جرات نہیں کر سکتا۔

میں کوئی نہیں آپکی بیوی ہوں۔وہ اطمینان سے بولی۔

بیوی مائے فٹ۔۔میں اپنی زندگی میں کسی کی بھی دخل اندازی برداشت نہیں کر سکتا۔ سمجھی

تم۔وہ ہمیشہ کیطرح صبر کا دامن چھوڑ چکا تھا۔حمنیٰ کا پارہ بھی بلند ہو گیا۔اسنے ہینگ کیا ہوا سوٹ بستر پہ پٹخا۔

یہ کیا آپ ہر وقت میری زندگی میری زندگی کا راگ الاپتے رہتے ہیں۔میں بھی اس گھر میں رہتی ہوں میرا بھی کوئی حق ہے اس گھر کی چیزوں پر۔اور آپکا لیپ ٹاپ میں کونسا کھا گئی ہوں جو اسطرح اوورری ایکٹ کر رہے ہیں۔وہ پیشانی پہ شکنیں ڈال کر ناخوشگوار لہجے میں بولتی چلی گئی۔جواباً علی نے غصے سے آگ بگولا ہوتے ہوئے ایک زوردار مکا دیوار پہ رسید کیا۔حمنیٰ نے ناگواری سے اسکی طرف دیکھا۔

آپکا دماغ تو نہیں خراب۔۔اس نے ناک چڑھا کر کہا۔

اسی لیئے۔۔صرف اسی لیئے میں شادی نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ مجھے اپنی زندگی میں کسی کی شراکت قبول نہیں ہے۔وہ چلایا۔

نہیں کرنا چاہتے تھے تو اپنی والدہ محترمہ کے سامنے یہ تقریر کرتے ناں۔اب کیوں چلا رہے ہیں۔وہ پلٹ پڑی۔

زیادہ زبان مت چلاؤ میرے ساتھ۔وہ دو قدم کا فاصلہ طے کر کے عین اسکے سامنے آ کھڑا ہوا۔سرخ انگارہ آنکھوں سے اسے گھورتا ہوا۔

آپ بیشک چلاتے رہیں۔وہ اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بے خوفی سے دوبدو بولی۔

واٹ۔علی دھاڑا۔

آہستہ بولیں۔ چلانا مجھے بھی آتا ہے۔اس نے انگلی اٹھا کر اسے تنبیہہ کی۔

دور رکھو خود کو مجھ سے۔ سمجھی تم۔اس نے غصے سے کف اڑاتے ہوئے کہا۔

ٹو ہیل ود یو۔ وہ از حد بیزاری سے کہہ کر اسکی سائیڈ سے ہو کر تیز قدموں سے چلتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی۔ وہ عالم طیش میں اسکے پیچھے پیچھے آیا۔ وہ لاؤنج کے صوفے کے قریب کھڑی اپنے غصے پہ قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ تیر کیطرح اسکے قریب آیا اور جارحانہ انداز میں اسکا بازو پکڑ کر اسکا رخ اپنی جانب موڑا۔

کیا بکواس کر کے آئی ہو تم میرے ساتھ۔۔ وہ پھنکارا۔

بازو چھوڑیں میرا۔اس نے ناگواری سے کہا۔

آئی سیڈ کیا بکواس کی تم نے۔ وہ چلایا۔ اسکی سنہری آنکھوں میں جیسے خون اترا ہوا تھا۔ حمنیٰ کو بے اختیار اس سے خوف محسوس ہوا۔

علی کیا ہو گیا ہے آپکو۔۔ چھوڑیں مجھے۔ وہ گھبرا گئی۔

آئندہ اگر تم نے میرے ساتھ اس قسم کی بکواس کی تو میں تمہیں گولی مار دوں گا۔اس نے دانت پہ دانت جما کر خونخوار لہجے میں اسے وارننگ دی اور پھر اسے صوفے پہ دھکیل کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا کمرے میں چلا گیا۔ وہ اپنی بازو مسلتی ہوئی سیدھی ہو بیٹھی۔ مارے تکلیف کے اسکی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

میجر داؤد ایک چونتیس پینتیس سال کا خوش شکل اور خوش اخلاق انسان تھا اسکی بیوی مہرین بھی ایک قبول صورت اور خوش گفتار عورت تھی۔انکے دو بچے تھے۔ایک بیٹا اور ایک بیٹی۔بیٹا پانچ سال کا تھا جبکہ بیٹی چار سال کی۔دونوں بچے کافی شرارتی تھے۔انکے گھر کا ماحول بہت دوستانہ تھا۔حمنیٰ کو یہاں آکر اچھا لگا تھا۔کینٹ ایریا میں انکو یہ گھر سرکاری طور پہ ملا ہوا تھا۔اور علی کی ان سب کیساتھ بے تکلفی دیکھ کر اسے یہ اندازہ ہوا تھا کہ علی کا انکے گھر کافی آنا جان ہے۔

ابتدائی تعارف کے بعد میجر داؤد اور علی اپنی باتوں میں مگن ہو گئے مہرین اٹھ کر کچن میں چلی گئی اور دونوں بچے لیپ ٹاپ پہ کوئی مووی لگا کر بیٹھ گئے ایسے میں وہ بوریت محسوس کرنے لگی تو اٹھ کر کچن کیطرف نکل آئی۔جہاں مہرین پھرتی سے ڈنر کی تیاری میں مصروف تھی۔اسکی آہٹ پہ اسکی طرف متوجہ ہو کر مسکرائی۔

ارے تم یہاں کیوں چلی آئی۔

وہاں بیٹھ کر تو بور ہی ہونا تھا میں نے کیونکہ دونوں مرد حضرات ملکی اسٹاک ایکسچینج پہ بحث کرنے میں مصروف ہیں اور میں ٹھہری کیمیکل ری ایکشنز میں سر کھپانے والی لڑکی۔وہ ہلکے پھلکے انداز میں بولتی اندر آگئی۔مہرین ہلکا سا ہنسی۔

ہاں واقعی پھر تو تمہارا بور ہونا بنتا ہے۔

لائیے میں کچھ مدد کروا دوں۔

ارے نہیں یار میں کرلوں گی۔

کم آن بھابھی اتنے تکلفات میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں۔لائیے یہ سلاد میں بناتی ہوں۔ اسنے اصرار کر کے چھری اسکے ہاتھ سے لے ہی لی تھی۔مہرین بھی اسکے اپنائیت بھرے انداز پہ مسکرا اٹھی۔

علی بھائی اور داؤد کلاس سیونتھ سے ایک دوسرے کے گہرے دوست ہیں۔مہرین نے بریانی کو دم دیتے ہوئے اسے بتایا۔

اچھا۔وہ کٹنگ بورڈ پہ سلاد کیلیئے سبزیاں کترتے ہوئے بولی۔

ان کا بچپن ایبٹ آباد میں گزرا ہے۔میری سسرال ابھی بھی وہیں ہے۔چھٹیوں میں جاتے ہیں ہم۔علی بھائی کا آبائی گھر میرے سسرال والے گھر کی گلی میں ہی ہے۔تم تو گئی ہو گی ناں وہاں۔مہرین نے فریج سے فریز کیئے ہوئے شامی کباب نکالتے ہوئے پوچھا۔

نہیں اب تک تو نہیں جا سکے ہم۔وقت ہی نہیں ملا۔وہ مسکرا کر بولی۔ویسے درحقیقت تو اسے ابھی ابھی مہرین کی زبانی ہی معلوم ہوا تھا علی کا کوئی آبائی گھر ایبٹ آباد میں بھی ہے۔

ہاں شادی بھی تو آناً فاناً ہوئی تم دونوں کی۔داؤد تو بہت لڑے تھے علی سے کہ اتنی مشکلوں سے شادی کی اور ہمیں بلایا بھی نہیں۔پھر جب علی بھائی نے بتایا کہ تمہارے پیرنٹس کی اچانک وفات کے باعث سادگی سے شادی کی تو کہیں جا کر داؤد کا غصہ ختم ہوا۔وہ انڈا پھینٹتے ہوئے اسے بتا رہی تھی۔

جی۔۔۔وہ بس اتنا ہی کہہ سکی۔

علی بھائی تو شادی پہ کسی طور راضی ہی نہیں ہوتے تھے۔ پچھلے سات سالوں سے تو میں بھی دیکھ رہی ہوں کہ کیسے آنٹی ان کیلیے ایک سے بڑھ کر ایک لڑکی پسند کرتی تھیں اور وہ بنا دیکھے ریجیکٹ کر دیتے تھے۔ روبینہ آنٹی تو روتی تھیں بیچاری۔ جب سات سال قبل میری نئی نئی شادی ہوئی تھی تب وہ ایبٹ آباد میں ہی رہتی تھی۔ ہماری دعوت بھی کی تھی انہوں نے۔ علی بھائی کیطرف سے بہت فکر مند رہتی تھی۔ پھر کچھ ہی دنوں بعد عمر بھائی نے انکو اپنے پاس بلوا لیا تھا کیونکہ علی بھائی تو انکو کئی کئی روز فون تک نہیں کرتے تھے اکیلی ہوتی تھیں بیچاری۔ مہرین نے فرائنگ پین میں تیل ڈال کر اسے چولہے پہ رکھا اور تیل گرم ہونے کا انتظار کرنے لگی۔ حمنیٰ سلاد سیٹ کرتے ہوئے مکمل طور پہ اسکی طرف متوجہ تھی۔

باہر جا کر بھی ان بیچاری کو علی بھائی کی فکر ہی لگی رہی تھی۔ سال میں دو دو تین تین بار آتی تھیں کہ کسی طرح علی بھائی کو شادی پہ رضامند کر لیں۔ شکر ہے کہ اتنے سالوں بعد علی بھائی کو عقل آ ہی گئی۔ مہرین نے ایک کباب پھینٹے ہوئے انڈے میں ڈپ کر کے احتیاط سے فرائنگ پین میں رکھا۔

لیکن علی شادی کیوں نہیں کرنا چاہتے تھے بھابھی۔ وہ خود کو یہ سوال پوچھنے سے روک نہ پائی تھی۔

زوباریہ کی وجہ سے یار۔۔۔ کفگیر کی مدد سے کباب پلٹتے ہوئے مہرین کا لہجہ بہت نارمل تھا۔ سلاد سیٹ کرتے اسکے ہاتھ بے اختیار تھم گئے۔

زوباریہ۔۔۔اس نے استفہامیہ انداز میں یہ نام دہرایا۔مہرین نے ایک نظر اس کے چہرے پہ ڈالی۔حمنیٰ کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ اس نام سے آشنا نہ تھی۔مہرین کو یکدم اپنی زبان کے پھسل جانے پر افسوس ہوا۔

سلاد بہت اچھا ڈیکوریٹ کیا ہے تم نے۔وہ بات بدلنے کو جلدی سے بولی۔

زوباریہ کون ہے بھابھی؟اسکی سوئی اسی نام پہ اٹکی ہوئی تھی۔

آ۔۔وہ۔۔میں برتن لگاتی ہوں تم یہ کباب دیکھ لو۔وہ فوراً سے کہتی کچن سے چلی گئی تھی۔حمنیٰ کی نظریں فرائنگ پین میں براؤن ہوتے کبابوں پہ رک گئی۔اس نے آگے بڑھ کر کفگیر اٹھایا اور احتیاط سے کباب پلیٹ میں نکالنے لگی۔

دس سال قبل۔۔۔

ٹھیک رات دس بجے آرمی کی وین نے اسے پک کرنا تھا۔دفعتاً کمرے کے دروازے پہ آہٹ ہوئی اور وہ چونک کر پلٹا۔سیاہ رنگ کے سادہ سے کاٹن کے شلوار قمیص میں ملبوس ہم رنگ دوپٹہ سر پہ اوڑھے اسکی ریہ اپنا سوگوار سا سراپا لیئے اسکے سامنے تھی۔علی کا دل بھر بھر آیا۔اس نے تقریباً پونے دو سال بعد ریہ کو دیکھا تھا۔وہ بے اختیار آگے بڑھا اور اس کے ہاتھ تھام لیئے۔

ریہ۔۔بابا کتنے خوش قسمت ہیں کہ انہی۔شہادت نصیب ہوئی۔اس کی آواز اور آنکھیں بھر آئی تھیں۔زوباریہ کی نیلی کانچ سی آنکھوں میں تیرتے گلابی ڈورے بھی اس بات کے گواہ

تھے کہ وہ کافی رو چکی تھی۔دعا کرو ریہ کہ اللہ مجھے بھی ایسی اچھے قسمت عطا کرے کہ میں بھی اپنے وطن پہ قربان ہو جاؤں۔اس کا بھیگا ہوا لہجہ پر عزم تھا۔زوباریہ نے بہت نرمی سے اپنے دودھ جیسے ہاتھ اسکے ہاتھوں سے چھڑوائے۔

علی ایک بات کا فیصلہ ہمیں آج کر لینا چاہیئے۔وہ سنجیدہ لہجے میں بولی تھی۔

کیسا فیصلہ ریہ؟اس نے سوالیہ انداز میں کہا۔

علی! مجھے تم سے بہت محبت ہے مگر میں اپنی ساری زندگی ان سرٹینٹی میں نہیں گزار سکتی۔ میں چچی کیطرح آدھی عمر انتظار لاحاصل کی سولی پہ لٹک کر اور بقیہ زندگی شہید کی بیوہ بن کر سوگ میں نہیں گزار سکتی۔اپنی زندگی کا ایک بہترین حصہ ان وسوسوں اور اندیشوں کی نظر نہیں کر سکتی کہ خدا جانے تم زندہ سلامت واپس آؤ گے یا مردہ۔۔یا پھر اپاہج ہو کر یا کسی بم دھماکے کا شکار ہو کر صرف راکھ کی صورت میں۔۔میں چچی کیطرح بے رنگ زندگی گزارنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی علی۔مجھے ایک بھرپور زندگی گزارنی ہے۔فل آف جوائے اینڈ ہیپی نیس۔

وہ بے حد سنجیدہ انداز میں تمہید باندھ رہی تھی۔

لیکن ریہ! ہم نے تو بچپن سے ہر انٹرسٹ شئیر کیا ہے۔تو میری زندگی کے سب سے بڑے مقصد میں میرا ساتھ دینے سے کیوں کترانے لگی ہو۔اور اب جبکہ دو ڈھائی سالوں سے ہم نکاح کے مضبوط بندھن میں بندھے ہوئے ہیں تو اس قسم کی باتوں کی کیا تک بنتی ہے اب۔علی نے اسکے دونوں ہاتھ تھام کر نرم لہجے میں کہا۔جب میں نیکسٹ ٹائم آؤنگا تو تمہیں رخصت

کروالوں گا۔

علی پلیز۔۔۔اگر تمہیں میرے ساتھ زندگی گزارنی ہے تو تمہیں آرمی کو خیر باد کہنا ہو گا۔اس نے اپنے ہاتھ نہ چھڑوائے تھے مگر اسکا لہجہ اٹل تھا۔ علی نے بے یقینی سے اسکی طرف دیکھا۔ ریہ کے حسین چہرے پہ سنگلاخیت تھی۔

ریہ۔۔۔یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔۔تم تو جانتی ہو کہ فوجی بننا میرا بچپن کا خواب تھا۔

وہ خواب تھا مگر میں حقیقت ہوں۔۔زوباریہ نے بلند اور ناگوار لہجے میں اسکی بات کاٹی۔تم مجھے بھی اپنا پیشن اپنا جنون کہتے تھے۔

میں اب بھی یہی کہتا ہوں ریہ لیکن آرمی بھی اب صرف میرا خواب نہیں بلکہ میری لائف کی سب سے بڑی حقیقت ہے۔میں اسے کیسے چھوڑ دوں۔وہ بے چارگی سے بولا۔

تو پھر مجھے چھوڑ دو۔اسنے قطعیت سے کہا۔

لیکن ریہ۔۔۔۔

لیکن ویکن کچھ نہیں علی۔۔۔تم آج چوز کر لو۔۔میں یا آرمی۔وہ اسکی بات کاٹ کر سپاٹ لہجے میں بولی۔ علی کی آنکھوں میں اذیت کے آثار ابھرے۔

علی ! میں فیصلہ کر چکی ہوں۔وہ اٹل انداز میں بولی۔

جب تم فیصلہ کر ہی چکی ہو تو مجھ سے کیا چاہتی ہو ریہ۔ علی کو اپنی آواز کسی گہری کھائی سے آتی ہوئی سنائی دی۔

تمہارا فیصلہ سننا چاہتی ہوں علی۔ڈیڈی کے بزنس پارٹنر کے بیٹے شمریز سبحانی نے مجھے پروپوز کیا ہے میں چاہتی ہوں کہ تم کوئی آر یا پار کا فیصلہ کر لو تاکہ میں بھی آزادی کیساتھ اپنی زندگی پلان کر سکوں۔

وہ اسکی بیوی۔۔کس قدر آرام سے اسے اپنے پروپوزل کا قصہ بتا رہی تھی۔علی کو اپنی سماعتوں پہ یقین نہ آیا۔اس نے یقین و بے یقینی میں جھولتے ہوئے اپنے سامنے کھڑی اس نازک سی لڑکی کیطرف دیکھا جس کا چاندنی چھلکاتا رنگ روپ اس سیاہ لباس میں دمک رہا تھا۔۔یہ وہ لڑکی تھی جس سے علی کو عشق تھا۔۔۔عشق نہیں۔۔وہ مرتا تھا اس پہ۔اور یہ لڑکی بھی تو اسکی دیوانی ہوا کرتی تھی مگر آج اس کانچ کی گڑیا کے چہرے پر زمانے بھر کی سنگدلی تھی۔علی نے اپنے ہاتھوں میں دبے اپنے بیوی کے ہاتھوں کیطرف دیکھا۔وہ فیصلے کا لمحہ تھا۔اس نے اپنے فرض پہ عشق کو قربان کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ایک بھاری سل اپنے سینے پہ رکھ کر اسنے زوباریہ ملک کے ہاتھ چھوڑ دیئے۔زوباریہ نے ایک گہری سانس خارج کی۔۔۔آزادی کی سانس۔

میں ڈائیورس پیپرز تیار کروا چکی ہوں مجھے معلوم تھا کہ تم آرمی نہیں چھوڑو گے۔میں پیپرز لاتی ہوں تم ان پہ سائن کر دو۔وہ بہت عام سے انداز میں کہتی ہوئی جانے کو پلٹ گئی۔اور وہ تو بس ساکت و صامت ہی رہ گیا تھا۔

حدِ ادب کی بات تھی حدِ ادب میں رہ گئی

میں نے کہا کہ میں چلا اسنے کہا کہ جایئے۔۔

زوباریہ چند لمحوں بعد طلاق کے کاغذات اور ایک پین لے آئی۔

یہ لو سائن کر دو۔۔۔مجھے پتہ تھا کہ خلع کی نوبت نہیں آئیگی۔کیونکہ تم تو میری کوئی بات ٹال ہی نہیں سکتے۔کاغذات اسکے سامنے کیئے وہ کتنے مان بھرے انداز میں کہہ رہی تھی۔علی نے میکانکی انداز میں اسکے ہاتھ سے پین اور کاغذات لیکر دستخط کر دیئے۔زوباریہ نے ایک دلفریب مسکراہٹ کیساتھ کاغذات اسکے ہاتھ سے واپس لیئے۔

تھینک یو علی! تمہارے ساتھ میرا جتنا وقت گزرا وہ بہت اچھا تھا۔اینڈ آئی وش یو آ ہیپی لائف آہیڈ۔اگلے ماہ کی بیس تاریخ کو میری اور شمریز کی شادی ہے تم ضرور شرکت کرنا۔مجھے خوشی ہو گی۔بائے بڑے ہی عام لہجے میں وہ اسکی سماعتوں میں زہر انڈیل کر چلی گئی تھی۔اور اسکے ارد گرد تو بس ایک ہی جملے کی بازگشت تھی۔

اگلے ماہ کی بیس تاریخ کو میری اور شمریز کی شادی ہے۔وہ اپنی شادی کی تاریخ بھی طے کیئے بیٹھی تھی۔اور اسے خبر نہ تھی۔۔نجانے کب سے وہ اس سے علیحدگی کا فیصلہ کر چکی تھی اور وہ گھر سے دور گولیوں سنسناہٹ اور بموں کی گھن گھرج میں بھی اسکے ساتھ ایک محبتوں بھری زندگی کے خیال سے دل کو بہلاتا رہتا تھا۔وہ اسکے اعتبار کا کس بے دردی سے قتل کر گئی تھی اور ایک لمحے کو بھی اسے یہ خیال نہ آیا تھا کہ علی مرتضیٰ کے دل پر کیا بیتے گی۔وہ اکیسویں صدی کی ہیر تھی اسکا عشق بھی عقل رکھتا تھا۔اسے رانجھے کی چاہتیں نہیں بلکہ اپنی زندگی کا سکوں بھاتا تھا۔۔بھلا سچی محبت میں سکون کہاں۔۔محبت تو نام ہی بے سکونی کا ہے۔۔عشق تو ہے ہی نری خواری۔۔چاہت تو ہے ہی سراپا تشنگی۔۔مفاد پرست ہو گئی تھی آج کی ہیر بھی۔۔مگر وہ رانجھا اکیسویں صدی میں بھی صرف عاشق ہی رہا تھا 'عقلمند' نہ بن سکا تھا۔بھلا عشق میں عقل کا کیا کام۔۔اسے تو محبت کی بے سکونی بھی قبول تھی۔عشق میں خواری بھی منظور تھی اور

چاہتوں کی تشنہ کامی بھی عزیز تھی۔اسے تو بس محبوب کی خاطر جینا آتا تھا۔

راکنگ چیئر جھولتے جھولتے تھم گئی۔ علی مرتضیٰ کا چابیس سالہ ماضہ اختتام پذیر ہو گیا تھا۔۔وہ میکانکی انداز میں اٹھا اور کمرے سے باہر آیا۔۔امی نجانے کہاں تھیں۔۔وہ لان پہ نکل آیا۔ برابر والے گھر سے اونچے اونچے گانوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔وہ وہیں ٹھنڈی گھاس پہ بیٹھ گیا۔ رات ہر سو اپنے پر پھیلا چکی تھی اور آسمان سیاہ بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ہوا میں تیزی تھی۔۔ ہڈیوں میں اترتی خنکی تھی۔۔اس نے اپنا سر گھٹنوں پہ رکھ دیا۔یکلخت تیز بارش برسنے لگی۔وہ دیر تک اسی پوزیشن میں بیٹھتا بھیگتا رہا۔۔پھر امی اسے ڈھونڈتی ہوئی لان میں نکل آئیں اور اسے زبردستی اندر لے گئی تھیں۔انہوں نے اسے کپڑے تبدیل کرنے کی ہدایت کی۔اس نے چپ چاپ تعمیل کی۔انہوں نے آتشدان جلا کر اسے اسکے سامنے بٹھا دیا اور اسے سوپ کا پیالہ تھما دیا۔اس نے بے چون وچراں سارا سوپ پی لیا۔وہ بولتی رہیں۔۔زوباریہ کے خلاف۔۔تایا تائی کے خلاف۔۔وہ سنتا رہا۔۔وہ تھک کر خاموش ہو گئیں تو اسے سونے کی تلقین کر کے چلی گئیں۔وہ آتشدان بجھا کر اپنے بستر پہ آ لیٹا۔

کھاریاں کینٹ ایریا شہر سے کافی دوری پہ واقع ہے اسلیئے واپسی کا سفر کافی طویل تھا۔اور تمام رستہ اسکے ذہن میں لفظ زوباریہ گونجتا رہا تھا۔ نجانے کون تھی یہ زوباریہ۔۔ جس کا نام شاید بے اختیاری میں مہرین کے لبوں سے پھسلا تھا اور اپنی غلطی کا احساس ہوتے ہی وہ کیسے بات بدل کر منظر سے ہی ہٹ چکی تھی۔اور حمنیٰ کو اندازہ تو ہمیشہ سے ہی تھا کہ علی کے اس بات بے بات ہائیپر ہونے اور خاص طور پہ عورتوں سے چڑنے کے پیچھے کسی عورت کا دیا ہوا زخم ہی کارفرما ہے۔

اس زوباریہ نامی لڑکی نے شاید علی کیساتھ بے وفائی کی ہو یا ممکن ہے کہ ان دونوں کے بیچ ظالم سماج آگیا ہو۔یا پھر ہو سکتا ہے کہ روبینہ آنٹی نے ہی علی کی پسند کو تسلیم نہ کیا ہو۔اسکا ذہن مختلف سوچوں کے تانے بانے بنتا رہا اور رستہ تمام ہو گیا۔علی تو گھر آتے ہی کپڑے تبدیل کر کے سو گیا لیکن وہ نماز پڑھنے کے بعد بھی کافی رات گئے تک جاگتی رہی تھی۔اسکا ذہن اس لڑکی زوباریہ کے متعلق سخت تجسس کا شکار تھا۔رات دیر تک جاگنے کے باعث اگلے روز وہ دن چڑھے تک سوتی رہی تھی۔اور بیدار ہوتے ہی اسکا ذہن پھر سے زوباریہ پہ مرکوز ہو گیا۔ نجانے کون تھی وہ جس کی وجہ سے علی ایسا بن گیا تھا۔رات تک سوچ سوچ کر اسکا دماغ تھک گیا تو اسنے براہ راست علی سے پوچھنے کا فیصلہ کیا اور نماز کے بعد بستر پر علی کے برابر آ بیٹھی۔وہ آنکھوں پہ بازو رکھے چت لیٹا تھا۔

یہ زوباریہ کون ہے؟اس نے عام سے لہجے میں پوچھتے ہوئے کن اکھیوں سے اسکی طرف دیکھا۔اسکے اس سوال کا علی پہ عجیب سا اثر ہوا تھا۔اس نے جیسے کرنٹ کھا کر بازو آنکھوں سے ہٹایا۔

تمہیں یہ نام کس نے بتایا۔اسکے لہجے میں بیقراری تھی۔

بس بتا دیا کسی نے۔آپ بتائیں کون ہے یہ زوباریہ۔اس نے اصرار کیا۔علی کی خوبصورت آنکھوں میں اذیت کے آثار ابھرے۔

میرا ماضی۔سرد لہجے میں دو حرفی جواب دیکر وہ بستر سے اٹھ کر کمرے سے باہر چلا گیا تھا۔وہ تنہا رہ گئی۔۔

آپ بتا کیوں نہیں دیتے علی کہ زوبار یہ کون ہے۔اگلے روز وہ صبح صبح پھر اسکے سر پہ سوار تھی۔ وہ اسی وقت جاگنگ کر کے لوٹا تھا۔پسینے سے بھیگے بال پیشانی پہ چپکے ہوئے تھے اور غیر متوازن تنفس کے باعث کشادہ سینہ پھول پچک رہا تھا۔

بتا تو دیا تھا کہ میرا ماضی تھا۔اور ماضی ختم ہو جاتا ہے۔تولیئے سے چہرا رگڑتے ہوئے اسکا لہجہ ہموار تھا۔

نہ ماضی ختم ہوتا ہے نہ محبت۔وہ دوبدو بولی۔علی نے تولیہ چہرے سے ہٹا کر ایک نظر اپنے دائیں طرف کھڑی اس لڑکی پہ ڈالی جس کی سیاہ آنکھوں میں ہمیشہ جھیل کی ساکت سطح کا سا سکون رہتا تھا۔مگر اس لمحے ان آنکھوں میں اک ہیجان برپا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ہر چیز کا ایک انت ہوتا ہے حمنیٰ۔وہ اس موضوع سے پہلو تہی کرنا چاہتا تھا۔

محبت کا کوئی انت نہیں ہوتا۔۔اور خاص طور پر اس محبت کا جو لاحاصل ٹھہری ہو۔وہ آج صبح سویرے اچانک حمنیٰ عابد سے ہیگل بن کر فلسفہ جھاڑنے لگی تھی۔علی کی سنہری آنکھوں میں لاحاصل کا کرب ابھرا اور اسنے اپنی بیوی سے رخ پھیر لیا۔

ٹھیک کہتی ہو تم۔۔۔اسی لئے میں شادی نہیں کرنا چاہتا تھا۔میرا دل ایک ویران تاریک کھنڈر ہے۔۔جہاں تک سورج کی رسائی نہیں۔اور جہاں رات دن دکھ اور نارسائی کے الو بولتے ہیں۔۔تو بھلا تمہی بتاؤ حمنیٰ کہ اس اجاڑ بستی میں امید کے دیئے کیونکر روشن ہو سکتے ہیں۔وہ اپنے مصنوعی خول سے باہر نکل آیا تھا۔اور اب حمنیٰ اسکے لہجے اور آنکھوں میں پھیلا درد بخوبی

دیکھ رہی تھی۔

آپ کے پاس انکار کرنے کی اتھارٹی تھی لیکن افسوس کہ جرات کی کمی تھی۔وہ تاسف سے بولی۔ علی نے پلٹ کر اسکی طرف دیکھا۔وہ ملول سی نظر آرہی تھی۔

امی نے مجھے مجبور کر دیا تھا۔اس نے کمزور سے لہجے میں وضاحت دینا چاہی۔۔وہی وضاحت جو عشق لاحاصل میں مبتلا, اخلاقی جرات سے عادی ہر مرد ان چاہی بیوی کے سامنے پیش کرتا ہے۔

کوئی کسی کو تب تک مجبور نہیں کر سکتا جب تک وہ خود مجبور نہ ہونا چاہے۔اسکا لہجہ جتانے والا تھا۔وہ تھکے تھکے انداز میں بستر کے کنارے بیٹھ گیا۔

شاید تم ٹھیک کہتی ہو۔۔۔شاید میں بھی اس تنہا زندگی سے تھک گیا تھا۔وہ خود کلامی کے سے انداز میں بولا۔

اور اس تھکن کے باعث آپ نے ایک ان چاہے وجود کو اپنی زندگی میں شامل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔وہ استہزائیہ انداز میں بولی۔

اور میں اک ان چاہا وجود ہی تو ہوں آپکی زندگی میں علی۔ایک بے روح وجود۔۔جس کا قرب رات تاریکیوں میں آپکی فطری جبلت کی تسکین کا باعث بنتا ہے اور دن کے اجالے میں آپکے گھر کا کیئر ٹیکر۔۔دنیا کے سامنے پیش کرنے کو ایک شو پیس۔۔جس کو آپ اپنی بیوی کہہ کر متعارف کرواتے ہیں تو یہ دنیا والے آپکو معتبر لوگوں کی فہرست میں شامل کر لیتے ہیں۔وہ جب بولنے پہ آئی تو اسکا ایک ایک لفظ علی مرتضیٰ کے ضمیر پہ کوڑے کیطرح برسنے لگا۔

خود تو عشق لاحاصل کا چولا پہنے عورتوں سے بے پرواہی ظاہر کرتے ہوئے ایک مکمل ریجڈ انسان کا روپ دھارے ایک سٹیبل زندگی گزارے جا رہے ہیں۔ مگر اس بے روح وجود کا کیا علی؟ وہ اسکے عین سامنے سوال بنی کھڑی تھی۔ علی کا سر جھک گیا۔

مجھے تو نہیں علم تھا کہ جس انسان کیساتھ میں نکاح کے بندھن میں بندھ رہی ہوں اسکا دل پہلے سے ہی کسی کا اسیر ہے۔ میں نے اپنے دل کے دروازے پہلی بار صرف اپنے شوہر کیلیئے کھولے تھے۔ اسی کے تصور سے اپنے دل کو سجایا تھا۔۔ اسی کی قربتوں سے اپنے وجود کو مہکایا تھا۔۔۔ مگر اب تو مجھے اپنے وجود سے بھی گھن آ رہی ہے۔ اتنے دنوں تک ایک مردہ وجود میں زندگی کی رمق ڈھونڈتی رہی میں۔۔ گدھ کیطرح جو مردار پہ منڈلاتا رہتا ہے۔۔ اف۔ اس نے جھرجھری لیکر اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ لیا۔ علی کی روح پہ بڑی کاری ضرب پڑی تھی۔ گہرے زخم آئے تھے۔۔ خون رسنے لگا تھا۔

مجھے امی نے بتایا تھا کہ تم میرے متعلق سب جانتی ہو اور تمہیں کسی بات پہ کوئی اعتراض نہیں ہے۔ بلیو می اگر مجھے ذرا سا بھی اندازہ ہوتا کہ تم مکمل لاعلم ہو تو میں تمہیں اس کانٹوں بھری راہ پہ کبھی نہ گھسیٹتا۔ وہ نادم تھا۔

مجھے حیرت ہے کہ زوار اور شامین بھابھی نے بھی تمہیں کچھ نہیں بتایا۔

حمنیٰ نے سرعت سے اپنے چہرے سے ہاتھ ہٹائے۔ اسکی آنکھوں میں حیرت تھی۔ کیا انہیں معلوم تھا؟

ہاں۔۔ انکو میرے متعلق سب معلوم تھا۔ اس نے جواب دیا۔ حمنیٰ شاکڈ سی نظر آنے لگی۔

زوار تو بہت عرصے سے میرا دوست ہے۔اس سے میری جان پہچان تب ہوئی تھی جب دس سال قبل میں زوباریہ سے ڈائیورس فائنل ہونے کے بعد پنڈی گیا تھا۔

ڈائیورس۔۔تو کیا وہ آپکی۔۔

ہاں۔وہ میری بیوی تھی۔وہ اسکی بات کاٹ کر تھکے تھکے لہجے میں بولا تھا۔حمنیٰ شکست خوردگی سے چلتی بستر کے دوسرے کنارے پہ ٹک گئی۔ان دونوں کی پشت ایک دوسرے کی جانب تھی۔۔۔دونوں ہی سر جھکائے ہوئے زمین پہ نظریں گاڑے ہوئے تھے۔دونوں ہی اک دوسرے کو فیس نہ کر پا رہے تھے۔انکے درمیان گہری خاموشی تھی۔اور اس سکوت میں گھڑی کی مسلسل ٹک ٹک علی کے ذہن نے پردوں پہ ماضی کے در وا کرتی جا رہی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

دس سال قبل۔۔۔

اگلے روز زوباریہ کی رخصتی تھی۔اس نے آرمی ہیڈ کوارٹر رابطہ کر کے اپنے مکمل فٹ ہونے کا بتایا۔اسکے آفیسر نے اسے مزید کچھ روز آرام کرنے کا کہا مگر اسنے زور دیا کہ وہ فوراً سے پیشتر اپنی ڈیوٹی جوائن کرنا چاہتا ہے۔آفیسر نے اگلے روز اسے پنڈی جی ایچ کیو طلب کر لیا۔وہ امی کو مطلع کر کے اپنا سامان پیک کرنے لگا۔عمر دو دن قبل ہی واپس جا چکا تھا۔اب علی کے چلے جانے پر امی بالکل تنہا رہ جاتیں مگر انہوں نے اسے نہ روکا تھا۔وہ جانتی تھیں کہ اسکا ابھی یہاں سے چلے جانا ہی بہتر تھا۔شام کے وقت وہ گھر سے نکلا۔آسمان تب بھی بالوں سے ڈھکا ہوا تھا۔برابر والے گھر کے عظیم الشان پھاٹک کے سامنے سجی سجائی مرسڈیز کھڑی تھی اور زوباریہ کی

رخصتی ہو رہی تھی۔وہ قدرے تاریکی میں ہو کر کھڑا ہو گیا۔سرخ لہنگے میں دلہن بنی زوباریہ کا قیامت خیز حسن اور اس پہ مستزاد اسکی دل موہ لینے والی مسکراہٹ۔۔اور اسکے پہلو میں کھڑا سمارٹ سا شمریز سبحانی۔۔علی کی آنکھوں میں جلن ہونے لگی دل پہ ضربیں پڑنے لگیں۔وہ اسکے سامنے ہی شمریز کے ہمراہ گاڑی میں بیٹھ کر روانہ ہو گئی تھی۔اسنے چونک کر اپنی آنکھیں مسلیں اور سڑک کنارے چلنے لگا۔چھوٹا سا سفری بیگ کندھے پہ ڈالے وہ چوبیس سالہ لڑکا اس ابر آلود رات میں ایبٹ آباد کی اونچی نیچی سڑکوں کو اپنے قدموں تلے روندتا ہوا اور آنسو بہاتا ہوا چلتا جا رہا تھا۔۔اسکی آنکھوں سے اسکا ماضی بہہ رہا تھا۔۔وہ چلتے ہوئے لاری اڈے تک پہنچا اور پنڈی جانیوالی ویگن میں بیٹھ گیا۔تمام رستہ اسکی آنکھوں کے سامنے اپنا اور زوباریہ کا بچپن کسی فلم کیطرح چلتا رہا تھا۔وہ کتنے خوشگوار لمحے تھے۔۔جو اس کے ہاتھوں سے ریت کیطرح پھسل گئے تھے۔۔دو گھنٹے بعد جب وہ فیض آباد انٹر چینج پہ اترا تو اسکی آنکھیں کسی بے آب و گیاہ کیطرح خشک تھیں۔۔چہرے پہ سنگلاخیت نے ڈیرے ڈال لیئے تھے اور دل میں سناٹا اتر آیا تھا۔۔علی مرتضیٰ کا دل خالی ہو چکا تھا۔

گھڑی کی مسلسل ٹک ٹک اب بھی جاری تھی پر علی خاموش ہو چکا تھا۔اسکے چپ ہوتے ہی جیسے ساری آوازیں رک گئی تھیں۔۔ہر چیز ساکت ہو گئی تھی۔۔وقت بھی جیسے تھم گیا تھا۔حمنیٰ نے اپنا جھکا ہوا سر اٹھا کر دیوار گیر گھڑی کی جانب دیکھا جو صرف آدھا گھنٹہ گزر جانے کا پتہ دے رہی تھی۔علی مرتضیٰ کی زندگی کے اذیت بھرے دس سال بس آدھے گھنٹے میں سمٹ گئے تھے۔

اس دن کے بعد میرے دل سے ہر محبت ہر چاہت ختم ہو گئی۔ایون امی اور عمر بھائی کی محبت بھی مٹ گئی تھی۔میں نے خود کو مشین بنالیا۔بس دن رات کام۔اور لفظ شادی سے تو مجھے نفرت ہو گئی تھی۔زوباریہ نے مجھے ایسا چیٹ کیا تھا کہ مجھے عورت کے ہر روپ سے وحشت ہونے لگی تھی۔میں عورت سے نفرت کرنے لگا تھا۔میں محبت سے نفرت کرتا گیا کرتا گیا اور تنہا ہوتا گیا ہوتا گیا۔۔وہ رک رک کر ایک ایک لفظ ادا کر رہا تھا۔وہ ایک ایک لفظ اپنی سماعتوں میں اتار رہی تھی۔

مجھے لگتا تھا تم سے شادی میں نے امی کے مجبور کرنے پر کی تھی مگر میں غلط تھا اس خیال سے تو میں نے لاشعوری طور پر اپنے دل کو بہلایا تھا بس۔تم نے ایک ایک حرف ٹھیک کہا حمنیٰ میں واقعی ایک خود غرض اور بزدل انسان ہوں۔۔در حقیقت میں بھی اس طویل تنہائی سے تنگ آ گیا تھا تبھی شادی کیلیئے مان گیا ورنہ امی تو دس سالوں سے مجھے فورس کر رہی تھیں۔وہ اعتراف کر رہا تھا اپنی خامیوں کا۔حمنیٰ نے اپنی خالی ہتھیلیوں پہ نظریں جما دیں۔

لیکن اب میں مزید تمہیں اس اذیت بھری راہگزر پہ نہیں چلنے دونگا۔تم جب کہو گی میں تمہیں آزاد کر دونگا۔تم جہاں رہنا چاہو گی تمہارے لیئے پر اپر گھر کا انتظام کرواؤں گا۔۔۔اگر تم کہو گی تو تمہارے لیئے کوئی اچھا سا اور سچا لڑکا بھی تلاش کرونگا۔لیکن اب میں تمہیں مزید اپنی ہمراہی کی اذیت نہیں دونگا۔تم پلیز مجھے اور میری امی کو معاف کر دو حمنیٰ۔وہ بولتے بولتے اٹھ کر عین اسکے سامنے فرش پہ اکڑوں آ بیٹھا۔حمنیٰ کی آنکھیں کسی بے آب و گیاہ صحرا کیطرح خشک تھیں۔اس نے نظر اٹھا کر اس اونچے پورے مرد کیجانب دیکھا جس کی کانچ سی سنہری آنکھوں میں ہمیشہ سرد مہری رہتی تھی۔۔جس کی پیشانی ہر لمحہ ناگواری کی شکنوں سے پر رہتی تھی۔۔

جس کی اٹھی ہوئی مغرور ناک پہ ہر لحظہ غصہ دھرا رہتا تھا جس کے بھرے بھرے لب جنکے کنارے سگریٹ نوشی کے باعث ہلکے بھورے ہو چکے تھے, اظہار تنفر کے اظہار میں بھنچے رہتے تھے اور جس کی زبان سے کبھی کوئی میٹھا بول حمنیٰ کی سماعتوں میں نہ اترا تھا۔۔ مگر اس سب کے باوجود اس کے دل کے سنگھاسن پر یہی شخص بہت چپکے سے براجمان ہو چکا تھا کہ جسکا دل تو کچی عمر سے ایک نیلی آنکھوں والی ساحرہ کا اسیر تھا۔ حمنیٰ نے ایک گہری سانس بھری۔

حمنیٰ میں نے تمہیں بہت تکلیفیں دیں تم مجھے اسکے لیئے معاف کر دو۔اب جو تمہارا فیصلہ ہو گا وہ مجھے منظور ہو گا۔ وہ سر اٹھائے اسکی جانب دیکھ رہا تھا سنہری کانچ سی آنکھوں میں اشک تھے سرخی تھی۔۔ چہرے پہ بس درد تھا صرف درد۔۔۔ اسکا دل اس ٹوٹے ہوئے ہارے ہوئے انسان کا ماتھا چوم لینے کو چاہا۔۔ مگر اس نے اپنے دل کو سختی سے ڈپٹا۔۔

مجھے فیصلے کیلیئے کچھ وقت درکار ہے۔ وہ جب بولی تو اسکا لہجہ بہت ہموار تھا۔

ٹھیک ہے۔۔۔ ٹیک یور ٹائم۔۔ میں شہر سے باہر جا رہا ہوں شاید دو سے تین دن لگ جائیں۔ تم آرام سے فیصلہ کر لو۔ وہ اپنی آنکھیں مسلتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ حمنیٰ نے سر ہلا دیا۔ وہ کمرے سے چلا گیا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ وہ دکھی ہے۔۔ غمزدہ ہے اور اس غم کے عالم میں اسکو ایک محبت بھرے سہارے کی ضرورت ہے۔۔ وہ اسکا شوہر تھا اسکا شرعی محرم وہ اسکے پورے وجود پہ مکمل حق رکھتی۔۔ اس غم کے عالم میں اسکو اپنے وجود کی قربت دے سکتی تھی اسکی قربت سے خود کو مہکا سکتی تھی۔ مگر اسکو وجود کی قربت سے کوئی سروکار نہ تھا۔۔ اسے تو من سے من کا سچا رشتہ مطلوب تھا۔ وہ تو روح سے روح کی محبت کی متقاضی تھی۔ محبت وجود کے قرب کا تو نام

نہیں۔۔ محبت روحوں کے اتصال کا نام ہے۔اس نے گہری سانس بھر کر اپنے چہرے پہ ہاتھ پھیرا اور اٹھ کر واش روم سے وضو کر کے آئی اور جائے نماز بچھا کر نوافل کی نیت باندھ لی۔

اگلے روز اس نے عائشہ سے ونگل لیکر لیپ ٹاپ پہ نیٹ کنیکٹ کیا اور شامین کو فیسبک پہ ویڈیو کال ملائی۔

ہائے۔شامین نے کال ریسیو کرتے ہی اسے ہاتھ ہلایا۔

ہائے اس نے بھی ہاتھ ہلایا۔وہ اس وقت کچن میں کام بھی کر رہی تھی اور لیپ ٹاپ کاؤنٹر پہ رکھا ہوا تھا۔

کیسی ہو حمنیٰ شامین فرصت سے بیٹھی نظر آ رہی تھی۔

ٹھیک ہوں تم کیسی ہو۔شانی کیسا ہے اس نے کٹنگ بورڈ پہ پیاز باریک کترتے ہوئے پوچھا۔

ہم سب فٹ ہیں۔تم اپنی سناؤ۔کیسی جا رہی ہے میرڈ لائف۔

اچھی۔۔شامین مجھے تم سے ایک بات پوچھنی ہے۔

پوچھو۔

یار تمہیں پتہ تھا کہ علی کی پہلے بھی ایک شادی ہو چکی تھی۔

شادی نہیں صرف نکاح ہوا تھا اسکا۔شامین نے فوراً تصحیح کی۔

ایک ہی بات ہے۔

نو ایک بات نہیں ہے۔شامین نے تیز لہجے میں اسکی بات کاٹی۔

بائے داوے تمہیں یہ سب کس نے بتایا

علی نے۔۔۔

ویٹ حمنیٰ۔۔تم کہیں اس سے جھگڑا تو نہیں کر بیٹھیں۔دیکھو اگر تم دونوں کا کوئی تنازع ہے تو اسے خود حل کرو۔یہاں مت آنا۔کیونکہ اگر تم لڑ کر ادھر آگئی تو زوار تمہارے ساتھ ساتھ مجھے بھی گھر سے باہر نکال کھڑا کرینگے۔شامین تیز تیز بولتی جارہی تھی۔

فکر مت کرو۔کوئی ارادہ نہیں ہے میرا تمہارے پاس آنے کا۔تم سے ایک کام تھا اسلیئے سوچا روبرو بات کرلی جائے۔وہ اب ریلیکس ہوگئی تھی۔

کیا کام ہے شامین کا دل جیسے ابھی بھی مطمئن نہ ہوا تھا۔

یار میرے زیورات اور پلاٹ کے کاغذات تمہارے پاس رکھے ہیں ناں تم زیورات کی قیمت لگوا کر مجھے بتاؤ اور پلاٹ بھی بیچنا ہے میں نے۔

کونسے زیورات اور کونسے کاغذات کی بات کر رہی ہو تم شامین انجان بن گئی۔

میرے زیورات شامین جو امی نے مجھے دیئے تھے اور ماڈل ٹاؤن والا پلاٹ جو ابو نے میرے لیئے خریدا تھا۔اس نے چھری ہاتھ سے رکھ دی۔

ہاں لیکن تم یہ سب بیچ کر کیا کرو گی۔اور ویسے بھی تم اکیلی تو نہیں بیچ سکتی دونوں چیزیں امی ابو

کی ہیں میری مرضی کے بغیر کیسے بیچ سکتی ہو تم۔شامین کے لہجے میں اجنبیت تھی۔حمنیٰ نے غور سے اسکی طرف دیکھا۔

یہ دونوں چیزیں امی ابو نے اپنی زندگی میں مجھے دے دی تھیں اور تم گواہ ہو اس بات کی شامین۔

کہاں لکھا ہے۔۔کوئی تحریری ثبوت تو نہیں ہے ناں اس بات کا۔

انف شامین۔۔مجھے میری چیزیں واپس چاہئیں۔اسکا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا۔

وہ تمہاری چیزیں نہیں ہیں۔ابو امی کی ہیں اور ماں باپ کی چیزوں پہ سب بچوں کا حق ہوتا ہے۔

تمہارے حصے کے زیورات اور پلاٹ ابو تمہیں دے چکے تھے شامین تم کیوں مکر رہی ہو۔اسکا دماغ بھک سے اڑ گیا تھا۔

میں کہاں مکر رہی ہوں۔ابو کوئی وصیت چھوڑ کر نہیں گئے اسلیئے انکی ہر چیز پہ ہم دونوں کا حق ہے۔

وہ زبانی تو کہہ کر گئے تھے ناں کہ یہ زیورات اور پلاٹ میرے ہیں۔

وصیت وہی ہوتی ہے جو رٹرن فارم میں موجود ہو۔زبان سے تو انسان بہت کچھ کہتا رہتا ہے۔وہ مکمل انجان بنی ہوئی تھی۔حمنیٰ نے ایک گہری سانس بھری۔

تو تم مجھے میری چیزیں نہیں دو گی۔

وہ تمہاری چیزیں ہیں ہی نہیں۔

تو ٹھیک ہے پھر مجھے شرعی حساب سے ان چیزوں میں سے میرا حصہ دے دو۔

کونسا حصہ اور تم اپنی بہن کیساتھ سودے بازی کرو گی اب۔شامین بھڑک اٹھی۔

سودے بازی کیسی شامین۔مجھے میرا حق چاہیئے اگر تم نہیں دو گی تو میں کورٹ کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گی۔اس نے بے لچک لہجے میں کہا۔

تم یہ کرو گی میرے ساتھ۔

ہاں۔

لیکن حمنیٰ میری مجبوری سمجھو ہمیں پیسوں کی ضرورت ہے۔شامین نرم پڑ گئی۔

تمہیں کیا مجبوری ہے شامین۔اچھی بھلی لائف ہے تمہاری۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ہمیں پیسوں کی ضرورت ہے حمنیٰ۔وہ زیورات بیچ کر میں شانی کو باہر بھجواؤنگی پڑھنے کیلیئے۔ اور تم جانتی ہو کہ باہر پڑھانے کے کتنے اخراجات ہیں زوار اتنا افورڈ نہیں کر سکتے۔تو کیا ہو جائیگا اگر وہ زیورات اور پلاٹ میرے بچے کے کام آجائیں تم بھی تو اسکی خالہ ہو اتنا نہیں کر سکتی اسکے لیئے۔اور تمہیں پیسوں کی کیا ضرورت نہ تمہارے بچے ہیں نہ ہی کوئی مالی مسئلہ۔شامین مفاد پرست بن گئی تھی۔

ہاں مجھے پیسوں کی ضرورت نہیں ہے۔مگر اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ میں اپنا حق چھوڑ دوں۔ اور میں تمہارا احساس کیوں کروں۔تم نے کیا میرا احساس۔مجھ سے جھوٹ بول کر ایک ایسے انسان کے پلے باندھ دیا مجھے جس کا دل پہلے سے ہی کسی اور کا اسیر تھا۔جانتے بوجھتے تم نے

میرے ساتھ زیادتی کی تو پھر مجھ سے بھی کوئی امید نہ رکھنا۔وہ بے گانگی سے بولتی گئی۔

مجھے زوار نے منع کیا تھا حمنیٰ اگر میں تمہیں بتا دیتی تو تم کبھی علی سے شادی نہ کرتی اور زوار مجھے طلاق دیدیتے۔

مجھے تمہاری ایکسپیلیشن میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔اب تم سے اور تمہارے میاں سے کورٹ میں ہی بات ہو گی۔اسکا لہجہ اٹل تھا۔

حمنیٰ تم ایسا کیسے کر سکتی ہو یار۔شامین چلائی۔

اگر تم اپنے مفادات کی خاطر اپنے شوہر کیساتھ مل کر ایک مکمل پلاننگ کے تحت مجھے ایک مرد کی زندگی پہ زبردستی مسلط کر سکتی ہو۔میرے ماں باپ کی دی ہوئی چیزوں پہ قبضہ کر سکتی ہو۔تو میں بھی ایسا کر سکتی ہوں۔بائے۔اس نے ایک ایک لفظ ٹھہر ٹھہر کر ادا کیا اور اسکا جواب سنے بناء لیپ ٹاپ بند کر دیا۔اسکے چہرے پہ کرب ابھرا تھا۔وہ بہتے آنسوؤں کیساتھ پھر سے پیاز کترنے لگی۔

سورج کی نارنجی شعاعیں فلک بوس درختوں کی چوٹیوں کو چھو رہی تھیں۔ہلکی ہلکی ہوا خزاں رسیدہ پتوں کو ادھر سے ادھر اڑاتی پھر رہی تھی۔وہ کافی دیر سے بالکونی میں ریلنگ کے قریب کھڑی سامنے سڑک کے پار قطار در قطار درختوں پہ خزاں اترتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔آج علی کو گئے ہوئے تیسرا دن تھا۔اسکا کوئی فون میسیج نہ آیا تھا۔حمنیٰ کا دل دکھی تھا اور شامین سے بات کرنے کے بعد سے یہ دکھ مزید بڑھ گیا تھا۔اپنی چوبیس سالہ زندگی میں اس نے کبھی خود

کو اتنا کمزور اور تنہا محسوس نہ کیا تھا جتنا اب کر رہی تھی۔امی ابو کے جانے کے بعد بھی اس کو اپنا آپ اتنا بے امان نہ لگا تھا جتنا آج لگ رہا تھا۔اسے یوں لگنے لگا تھا جیسے اسکے قدموں تلے زمین رہی نہ سر پہ سائبان۔۔نہ آگے جانے کا کوئی راستہ سجھائی دے رہا تھا اور نہ پیچھے پلٹنے کی کوئی وجہ بچی تھی۔اسے آج شدت سے امی ابو کی یاد ستانے لگی تھی۔انکے ہوتے ہوئے تو سب چہرے مہربان تھے۔مگر انکے جاتے ہی سب آستینوں سے خنجر برآمد ہونے لگے تھے۔۔اسے لگا وہ بھری دنیا میں تنہا رہ گئی ہے۔۔

اس نے گہری سانس بھر کر آسمان کیجانب نگاہیں اٹھائیں۔۔۔دور آسمانوں میں کوئی اسکا بہت اپنا موجود تھا۔۔۔وہ جو اسے کبھی تنہا نہ چھوڑتا تھا تو بھلا اب کیسے چھوڑ دیتا اسے اکیلا۔اسکے دل کو قدرے اطمینان محسوس ہوا اور وہ پلٹ کر اندر آئی وضو کر کے اسنے جائے نماز بچھائی اور نماز ظہر کی نیت باندھ لی۔نماز کے بعد اسنے دعا کیلیئے ہاتھ اٹھائے۔یا اللہ! سب تعریفیں آپکے لیئے ہیں۔۔آپکے سوا کوئی بھی معبود برحق نہیں۔آپ خالق کل کائنات ہیں ہر جان آپکے قبضے میں ہے۔میں آپکی بڑی ادنی سی بندی ہوں اللہ جی! میرے آگے زندگی کی راہیں بالکل تاریک پڑی ہیں۔میرے لیئے روشنی کر دیں اللہ جی میرے لیئے روشنی کر دیں۔۔۔وہ رب کے آگے بہتے آنسوؤں کیساتھ یہ الفاظ دہراتی رہی پھر آمین کہہ کر جائے نماز کا کونا موڑ کر اٹھی اور کتابوں کے ریک سے اپنا قرآن پاک اٹھا کر صوفے پہ آ بیٹھی۔قرآن پاک کھول کر اس نے نگاہ دوڑائی اور پھر بے اختیار رک گئی سب سے اوپر والی سطر میں چمکتی یہ آیت آج بہت روشن بہت واضح ہو رہی تھی۔

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ

ترجمہ: وہ تمہارا لباس ہیں اور تم انکا لباس ہو۔

اس نے سہ بارہ اس آیت کو پڑھا پھر سورۃ یٰسین کھول کر اسکی تلاوت کرنے لگی۔

اگلے روز سہ پہر کے قریب علی لوٹ آیا تھا۔اسکی شیو کافی بڑھ گئی تھی اور چہرے پہ سیاہی دوڑ گئی تھی وہ بہت تھکا تھکا نظر آرہا تھا۔خاکی وردی کہنیوں سے میلی سی ہو رہی تھی۔اندر آکر اس نے اپنا ہولسٹر اتار کر رکھا اور تھکے تھکے انداز میں لاؤنج کے صوفے پہ بیٹھ گیا۔وہ اسکے لئے پانی کا گلاس لے آئی۔

تھینک یو۔اس سے گہری سانس بھر کر کہا اور گلاس تھام لیا۔وہ پلٹ گئی۔

حمنیٰ۔علی کی پکار پہ اسکے قدم تھمے اس نے پلٹ کر دیکھا۔

جی۔

گھر مل گیا ہے مجھے کینٹ میں۔۔ایک دو دن تک شفٹ کر لیں گے ہم ٹھیک ہے۔

اوکے۔

اگر کچھ سامان خریدنا ہے گھر کیلیئے تو لسٹ بنالو ابھی چلتے ہیں شام کو۔

جی بہتر۔وہ سر ہلا کر پھر پلٹی۔

کھانا بھی باہر ہی کھائیں گے کچھ مت پکانا۔اسکی آوز عقب میں ابھری تو اس نے بس سر ہلا دیا

اور کمرے میں چلی گئی۔ علی نے گلاس خالی کر کے میز پہ رکھا اور سر صوفے کی پشت سے ٹکا دیا۔ تھکن کے مارے اسکا برا حال تھا۔ اور یہ تھکن جسمانی نہیں بلکہ ذہنی تھی۔

شام کو وہ حمنیٰ کو لیکر مارکیٹ آ گیا۔ وہ خاموش تھی بالکل چپ۔ انہوں نے کچھ شاپنگ کی اسکے بعد ایک ریسٹورنٹ میں آ بیٹھے۔ علی نے کھانے کا آرڈر دیا۔ حمنیٰ ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ وہ اسکے بولنے کا منتظر تھا خود سے اسکا فیصلہ دریافت کرتے ہوئے نجانے کیوں ایک انجانا سا خوف محسوس ہو رہا تھا۔ جبکہ دوسری جانب حمنیٰ بھی اسکے بولنے کی منتظر تھی۔ اور اس انتظار میں دونوں کے درمیان گہری چپ حائل ہو گئی تھی۔

اگلے دو روز شفٹنگ میں صرف ہو گئے۔ وہ عائشہ اور آنٹی سے مل کر اور ان سے فون نمبرز کا تبادلہ کر کے علی کے ہمراہ کینٹ میں ملے ہوئے گھر میں آ گئی تھی۔ یہ ایک کافی بڑا گھر تھا۔ یہاں آ کر حمنیٰ کو بالکل فراغت مل گئی تھی۔ کیونکہ ہر کام کیلیئے ملازم موجود تھا۔ وہ سارا دن بس سوچوں کے بھنور میں ڈوبتی ابھرتی رہتی۔ اسکے اور علی کے درمیان گہری چپ کی چادر تنی ہوئی تھی۔ کچھ علی آجکل مصروف بھی بہت تھا گھر پہ تو کم ہی نظر آتا تھا۔ وہ اسکے بولنے کی منتظر تھی۔ دوسری جانب علی کا ذہن بھی الجھا ہوا تھا۔ نجانے حمنیٰ کیا فیصلہ کرنیوالی تھی۔ اپنے دل کی تمام بربادیوں اور ویرانیوں کے باوجود بھی علی کو حمنیٰ کی تکلیف کا احساس تھا۔ وہ گزشتہ دو ڈھائی ماہ سے اسکی بیوی تھی اور وہ اسکا عادی بہر حال ہو گیا تھا۔ اور شاید مزید کچھ عرصہ گزر جاتا تو وہ اس عادت کو ہی محبت پہ محمول کر کے بقیہ زندگی مسرور و شادمان ہو کر بِتا دیتا۔۔۔ مگر حمنیٰ عابد کو یہ فیک زندگی گوارا نہ تھی۔۔ وہ پیور تھی۔ اسے جذبوں میں کھوٹ اور غرض کی

ملاوٹ کرنا نہ آتی تھی۔ تبھی تو اسنے علی کو بھی اس شادی کے کھوکھلے پن کا احساس دلوایا تھا۔ اسکے لفظوں نے علی کی اتنے برسوں کی خود ساختہ بیچارگی کا خول جیسے پاش پاش کر کے رکھ دیا تھا۔۔اسکے الفاظ سخت تھے مگر بڑے ہی سچے تھے اور وہ اس سچ کو سننا چاہتا تھا۔۔ بار بار۔۔ کئی بار۔۔ مگر اس نے تو چپ ہی سادھ لی تھی۔ وہ عورت کا ایک بالکل الگ اور انوکھا روپ تھی۔۔

عورت تو ساری عمر بس اپنے حصے کے مرد کے دل پہنچنے کا رستہ تلاشتی رہتی ہے۔۔ ہزارہا تدبیریں کرتی ہے۔ کبھی ہاتھ کا ذائقہ آزماتی ہے تو کبھی اپنے وجود کو نکھارتی ہے۔۔ منتیں مانگ مانگ کر بیٹے جنتی ہے تو کبھی ساس سسر کی خدمتیں کرتی ہے۔۔ وہ مرد کی قربت کے چند لمحوں کو اپنی جیت تصور کر لیتی ہے خود کو اُس عورت سے افضل سمجھنے لگتی ہے جو اس سے قبل مرد کے دل میں رہ چکی تھی۔۔ عورت کیلیئے تو بس یہی کافی ہوتا ہے کہ مرد اسکو نکاح میں لیکر اپنی اولاد کی ماں کا درجہ دے ڈالے۔۔ اب اتنے سارے تفکرات میں گھری عورت کو روحانی محبت سے کیا علاقہ۔۔۔ مگر حمنیٰ عابد عام عورت نہ تھی۔ وہ علی مرتضیٰ سے شدید محبت کرنے کے باوجود بھی تب تک اسکے ساتھ کی خواہش مند نہ تھی جب تک کہ علی اس کو دل سے نہ تسلیم کر لیتا۔

علی! ہم شنگریلا میں اپنا گھر بنائیں گے۔

جیسا تم کہو ریہ۔

اور گھر کا تمام انٹیریئر میری پسند کا ہو گا۔

جو مزاجِ یار میں آئے۔

اور۔۔اور ہم اپنے گھر میں پیارا سا حوض بھی بنوائیں گے۔ سردیوں میں اسکی سطح جم جایا کریگی۔۔اور اس پہ گرتی برف۔۔کتنا پیارا منظر ہو گا ناں علی۔نیلے پانی پہ سفید برف۔

تمہاری آنکھوں جیسا نیلا رنگ تو نہ ہو گا پانی میں۔

افوہ۔۔۔ علی تم بھی ناں۔۔میرے علاوہ بھی دنیا میں بہت حسین لڑکیاں ہیں۔

مجھے تو اپنی ریہ کے علاوہ کچھ دکھائی نہیں دیتا۔

خیر کسی اور لڑکی کیطرف تو میں تمہیں کبھی دیکھنے بھی نہیں دونگی۔

علی مرتضیٰ کی آنکھوں میں زوباریہ ملک کے علاوہ کوئی اور چہرہ کبھی سجے گا بھی نہیں۔

وعدہ۔نازک سا ہاتھ اسکے سامنے کیا گیا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

پکا والا۔مضبوط ہاتھ نے اس نازک ہاتھ کو تھام لیا تھا۔۔۔۔۔

سگریٹ نے اسکی انگلیوں کو جلایا تو وہ بے طرح چونک کر حال میں واپس لوٹا۔۔اسکی انگلیوں میں دبا سگریٹ راکھ ہو رہا تھا۔۔ماضی کی محبتوں۔۔اور وعدوں کی طرح۔۔

اسنے بجھا ہوا سگریٹ دور اچھال دیا۔یوں جیسے ناکام عاشق اپنی محبتوں کی یادگاریں سمندر میں اچھال دیتے ہیں۔وہ پلٹ کر بالکونی سے کمرے میں آیا۔نائٹ بلب کی زرد روشنی میں کمرے کا ماحول سوگوار سا لگ رہا تھا۔وہ تھکے تھکے انداز میں بیڈ پہ بیٹھ گیا۔ایک گہری سانس خارج کر کے وہ نیم دراز ہو گیا۔اسکے برابر حمنیٰ گہری نیند سو رہی تھی۔اس نے گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھا۔باریک تراشیدہ لب جو سوتے میں بھی بھچے ہوئے رہتے۔۔ستواں ناک۔۔لمبی پلکیں۔۔وہ

ایک اچھی خاصی قبول صورت لڑکی تھی۔ لیکن زوباریہ ملک کے مقابلے پہ کچھ بھی نہ تھی۔۔
علی نے ایک گہری سانس بھری اور اپنی بیوی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ اسکے ہاتھوں کی انگلیاں لمبی اور مخروطی تھیں۔ نفاست سے تراشیدہ گلابی ناخن۔۔ وہ نماز کی پابند تھی اسلیئے کبھی ناخن نہ بڑھاتی تھی اور کیوٹکس بھی علی نے شادی والے دن کے علاوہ کبھی اسکے ناخنوں پہ نہ دیکھی تھی۔

اسکے ہاتھ کو تکتے تکتے اسکے ذہن کے پردے پہ زوباریہ کے لمبے ناخنوں والے اور زیادہ تر سیاہ کیوٹکس سے سجے انتہائی سپید اور گداز ہاتھوں کا عکس گھوم گیا۔۔ اس نے سر جھٹک کر اپنے ہاتھ میں دبے اپنی بیوی کے سانولے سے ہاتھ کیطرف دیکھا۔ وہ غیر شعوری طور پر موازنہ کر رہا تھا۔۔ یہ ہاتھ اس ہاتھ کے مقابلے پر کچھ بھی نہ تھا۔۔ مگر فرق یہ تھا کہ وہ ہاتھ رجھاتا تھا۔۔ بہکاتا تھا۔۔ جبکہ یہ ہاتھ۔۔ تحفظ کا۔۔ رفاقت کا احساس دلاتا تھا۔۔ علی نے اپنی رفیقہ حیات کا ہاتھ اپنی سینے پر عین دل کے مقام پہ رکھا اور مطمئن انداز میں آنکھیں موند لیں۔

وہ سارا دن فارغ رہ رہ کر تنگ آگئی تھی۔ اس لیئے سوچا کہ آس پڑوس میں کسی سے جان پہچانہ پیدا کر لی جائے۔ ابھی وہ یہی سوچ رہی تھی کہ مین ڈور کھلنے کی آواز آئی اور چند لمحوں بعد علی اندر داخل ہوا۔ وہ اٹھ بیٹھی۔

اسلام علیکم ! وہ سنجیدہ سے انداز میں کہتا ہوا کاؤچ پہ بیٹھ گیا۔

وعلیکم السلام ! اس نے جواب دیا اور بستر سے اٹھ کر کچن میں گئی اور علی کیلیئے پانی لے آئی۔

گلاس اسے تھما کر وہ پلٹ کر ڈریسنگ ٹیبل کی طرف بڑھی۔

زندگی۔۔بہت ناقابل فہم ہوتی ہے۔علی کی آواز عقب میں ابھری تو وہ ڈریسنگ ٹیبل کے قریب رک گئی۔

ہم سوچتے کچھ ہیں اور ہوتا کچھ اور ہے۔وہ دھیرے دھیرے بول رہا تھا۔وہ دھیرے دھیرے سن رہی تھی۔

میں نے ہوش سنبھالتے ہی زوباریہ کی محبت کو اپنے دل پہ قابض پایا تھا میں بے بس تھا بالکل۔ محبت میری روح کے اندر تک اتر چکی تھی۔میں نے کبھی یہ تصور بھی نہیں کیا تھا کہ زوباریہ اور میرے درمیان دوری آسکتی ہے۔ہمارے درمیان تو ظالم سماج بھی نہیں تھا۔وہ میری بیوی تھی۔میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ہمارے درمیان سماج نہیں بلکہ زوباریہ خود آجائیگی۔وہ ایک لمحہ کو رکا۔حمنیٰ کو یہ لمحہ بھر کی خاموشی بہت بری لگی تھی۔

جانتی ہو محبوبہ اور بیوی میں کیا فرق ہوتا ہے۔محبوبہ کی بیوفائی دل پہ زخم لگاتی ہے مگر انسان میں جینے کا حوصلہ باقی رہتا ہے لیکن بیوی کی بے وفائی مرد کو منتقم مزاج بنا دیتی ہے۔کبھی اس منتقمانہ کاروائیوں کا رخ بے وفا بیوی کی ذات ہوتی ہے وہ کبھی اسکی اپنی ذات۔۔90% مرد اپنے آپ سے انتقام لیتے ہیں۔خود کو آئی سولیٹ کر کے زمانے بھر کی خوشیاں اپنے اوپر حرام کر کے اپنے آپکو ایک سخت آہنی خول میں بند کر کے۔۔محبوبہ بے وفائی کر سکتی ہے۔۔لیکن بیوی پہ بیوفائی نہیں سجتی حمنیٰ۔زوباریہ کی بیوفائی نے مجھے اتنا منتقم مزاج اسلیئے بنا دیا تھا کیونکہ وہ میری بیوی تھی اگر وہ صرف میری محبوبہ ہوتی تو میں بھی عام ناکام عاشقوں کیطرح چند دن

دکھی گیت سنتا سگریٹ پھونکتا ڈاڑھی بڑھالیتا اور پھر چند دنوں بعد معمول پر آجاتا۔ لیکن ستم یہ ہے کہ وہ میری بیوی تھی۔ وہ بولتے بولتے رک گیا۔ اسکی آواز میں آنسوؤں کی آمیزش تھی۔ حمنیٰ نے اپنے دونوں ہاتھ ڈریسنگ ٹیبل پہ ٹیک کر چہرہ جھکالیا۔ اسکی آنکھوں سے آنسو قطرہ قطرہ بہہ رہے تھے۔

تم میری زندگی میں ان چاہی تھی حمنیٰ۔۔ مگر تم نے مجھے چاہا۔۔ بے لوث چاہا۔ تم نے مجھے زندگی کی حقیقتوں سے روشناس کروایا۔ وہ پھر رک گیا تھا۔ حمنیٰ کی آنکھوں کے سامنے ہر منظر دھندلا ہوتا جارہا تھا۔

میں تم پہ کوئی فیصلہ امپوز نہیں کرونگا حمنیٰ۔ بس میری ایک خواہش ہے کہ تم میرے ساتھ رہو۔ جب جب مجھے بخار ہو تو مجھے پانی پر دم کرکے دو۔۔ مجھے چکن کارن سوپ بنا کر دو۔۔ میری میسڈ اپ وارڈروب کو سیٹ کرو۔۔۔ وہ بولتے بولتے عین اسکے عقب میں آرکا تھا۔ حمنیٰ کے ہاتھ لرزنے لگے تھے آنسو بہنے کی رفتار میں تیزی آگئی تھی۔

بس یہ میری خواہشیں ہیں۔۔ تم سے کوئی مطالبہ کرنے کا اہل نہیں ہوں میں۔۔ تمہارے فیصلے کا منتظر ہوں بس۔ وہ کہہ کر پلٹ گیا تھا۔ حمنیٰ نے ایک جھٹکے سے پلٹ کر دیکھا وہ کمرے سے جارہا تھا۔

آپ میرا لباس ہیں۔۔ میں آپ کا لباس ہوں۔ وہ جب بولی تو اسکا لہجہ آنسوؤں کی آمیزش سے پاک تھا۔ علی نے پلٹ کر اسکی طرف دیکھا۔ اسکا چہرہ آنسوؤں سے گیلا تھا۔ وہ چند قدموں کا فاصلہ طے کرکے اسکے سامنے آرکا۔

میں تمہارا لباس ہوں۔۔تمہارا محافظ ہوں۔اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیکر وہ بہتے آنسوؤں کیساتھ مضبوط لہجے میں بولا تھا۔حمنیٰ نے ایک طویل سانس لیتے ہوئے اسکے سینے سے سر ٹکا دیا۔علی کی بے ربط دھڑکنوں میں قرار آنے لگا تھا۔

مجھے جمعے کو لاہور جانا ہے۔اسی روز رات کو ڈنر کے بعد علی اسے بتایا وہ اس وقت کچن میں چائے تیار کر رہی تھی۔

مجھے بھی لے چلیں۔اس نے کہا۔

یار میں وہاں تمہیں فل ٹائم نہیں دے سکوں گا تم بور ہوتی رہو گی۔وہ فرصت سے لاؤنج کے کاؤچ پہ بیٹھا ہوا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

مجھے کام ہے وہاں۔اس نے چائے کپوں میں نکالتے ہوئے کہا۔

تمہیں کیا کام لاہور میں۔

یونیورسٹی جانا ہے۔تھیسز کا کام رکا ہوا ہے میرا۔

تم پڑھتی ہو۔

پڑھ چکی ہوں۔تھیسز رہ گیا ہے بس۔امی ابو کی ڈیتھ کی وجہ سے کمپلیٹ نہیں کر سکی تھی۔اب سر کا فون آیا تھا کل وہ کہہ رہے تھے کہ چکر لگاؤں۔وہ چائے کے مگ لیئے لاؤنج میں چلی آئی۔

اچھا ٹھیک ہے بائے ائیر جائینگے آرام سے۔اس نے اسکے ہاتھ سے مگ لے لیا۔وہ اسکے برابر ہی

بیٹھ گئی۔

امی ابو کا گھر بھی ہے لاہور میں۔وہیں ٹھہریں گے۔

اچھا۔مجھے نہیں پتہ تھا کہ تم لاہوری ہو۔وہ چائے کا سپ لیتے ہوئے بولا۔

پکی لاہوری ہوں جناب۔اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

لیکن تم میں لاہوری لڑکیوں والی کوئی بات نہیں۔

کیوں لاہوری لڑکیوں کے سر پہ سینگ ہوتے ہیں کیا۔وہ برا مان کر بولی۔

نہیں مگر لاہوری لڑکی ہو اور رکوڑنہ بولے تو کچھ مزہ نہیں آتا۔وہ مزے سے بولا۔تو وہ بھی ہنسنے لگی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

آپکو بڑا پتہ ہے لاہوری لڑکیوں کا۔

کیوں نہ پتہ ہو۔میں تم سے عمر میں کم سے کم بھی دس سال بڑا ہوں اسی لحاظ سے میرا ایکسپیرینس بھی زیادہ ہے۔اور لاہور میں کافی عرصہ رہا ہوں۔

تو آپکا کیا سارا دھیان لڑکیوں پہ ہی ہوتا تھا۔اس نے معصومیت سے پوچھا۔

ہاہاہا۔نہیں مگر لاہوری لڑکی جب اپنے مخصوص لب و لہجے میں پنجابی بولتی ہے ناں تو بہت لطف آتا ہے سن کر۔وہ بہت خوشگوار موڈ میں تھا۔

توبہ کتنے ٹھرکی ہیں آپ۔اس نے برا سا منہ بنایا۔علی ہنسنے لگا۔ہنستے ہوئے اسکی آنکھوں کے

گرد ہلکی ہلکی لکیریں پڑتی تھیں جو اسکے چہرے کی کشش میں اضافہ کرتی تھیں۔

اچھا اب زیادہ مت ہنسیں۔بعد میں رونا بھی پڑے گا اتنا ہی۔

اس نے چائے کا سپ لیتے ہوئے کہا۔

ہاہ۔۔۔ہنسنے دو یار۔کیا پتہ پھر کبھی موقع ملے نہ ملے۔اس نے چائے کا مگ میز پہ رکھا اور ریلیکس انداز میں کاؤچ کی پشت سے سر ٹیک لیا۔

ہاہ آپکی زود رنجی۔اس نے چوٹ کی۔علی نے اسکے سر پہ ہلکی سی چپت لگائی۔

ویسے علی آپ سے ایک بات پوچھوں۔

ہاں پوچھو۔وہ گردن موڑے بہت دلچسپی سے اسکے چہرے کیطرف دیکھ رہا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

آپ کو فوجی بننے کا جنون تھا تو کیا آپ اپنے اس جنون کو احسن طور پر نبھا رہے ہیں؟اس نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

ہاں۔علی نے بلا توقف کہا۔

مگر مجھے تو لگتا ہے کہ آپ بس فرض بوجھ کیطرح سر پہ اٹھائے ہوئے ہیں۔

مگر تمہیں ایسا کیوں لگا حمنیٰ۔میں نے تو اپنے عشق کو فرض پہ قربان کیا تھا۔

ٹھیک ہے۔لیکن کیا آپ نے فرض سے عشق کیا۔اسنے دوبدو پوچھا۔علی چپ ہو گیا۔حمنیٰ نے خالی مگ اٹھائے اور کچن کی طرف چلی گئی۔سنک کا نل کھول کر مگ دھونے لگی۔

ہاں ٹھیک کہتی ہو تم میں نے واقعی فرض سے عشق نہیں کیا۔بس بوجھ کیطرح سر پہ اٹھائے پھرتا رہا۔موت کی تلاش میں خطروں سے کھیلتا رہا لیکن ملک سے محبت کا احساس مفقود ہو گیا تھا مجھ میں۔مجھے تو بس موت چاہیئے تھی۔وہ اعتراف کر رہا تھا۔حمنیٰ نے مگ دھو کر ریک میں رکھے اور نل بند کر کے ہاتھ دوپٹے سے خشک کرتی اسکے برابر آ بیٹھی۔وہ کاؤچ کی پشت پہ سر رکھے چھت کو گھور رہا تھا۔

آپ اپنے بچوں کیساتھ سٹرکٹ ہونگے یا فرینڈلی؟اسکا سوال غیر متوقع تھا۔علی نے گردن موڑ کر اسکی طرف دیکھا۔

پتہ نہیں۔جب بچے ہونگے تو پتہ چلے گا۔اس نے شانے اچکائے۔

ہوں جائینگے بچے بھی جلد ہی۔وہ مبہم سا مسکرائی۔

رئیلی۔وہ سیدھا ہو بیٹھا۔وہ کھل کر مسکرائی۔

تو تم نے بچے کی خاطر میرے ساتھ رہنے کا یہ کڑوا گھونٹ قبول کیا۔وہ اداس ہو گیا۔

نہیں علی۔اس نے جلدی سے کہا۔

میں پہلے سے یہ فیصلہ کر چکی تھی کہ مجھے آپکے ساتھ ہی رہنا ہے۔بس آپکے منہ سے سننے کی منتظر تھی۔مجھے خوشی ہوئی کہ آپ نے میرا مان رکھا۔وہ اسکے ہاتھ پہ ہاتھ رکھے ہموار لہجے میں کہہ رہی تھی۔

خود پہ جبر مت کرنا حمنیٰ۔وہ اب بھی جیسے وسوسوں اور اندیشوں میں گھرا ہوا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

میں آپ سے محبت کرتی ہوں۔آپ سے الگ رہنا میرا خود پہ جبر ہوتا۔آپکے ساتھ رہنا نہیں۔ وہ نارمل سے انداز میں بہت خاص بات کہہ کر اٹھ کے کمرے میں چلی گئی تھی۔علی ہلکا سا مسکرا کر پھر سے کاؤچ کی پشت سے ٹک گیا۔

علی۔اس نے رات کے کسی پہر اسے پکارا تھا۔

ہوں۔وہ نیند میں بولا۔

آپکو بیٹے اچھے لگتے ہیں یا بیٹیاں۔علی نے آنکھوں سے بازو ہٹا کر اپنے قریب کہنی کے بل نیم دراز مکمل فریش نظر آتی اپنی بیوی کی جانب دیکھا جسکی سیاہ آنکھوں میں اپنے سوال کا جواب سننے کی تمنا تھی۔

یہ سوال تم صبح بھی پوچھ سکتی تھی منٰی۔وہ اسے منٰی ہی کہتا تھا۔

نہیں ابھی بتائیں۔اسنے اسرار کیا۔علی نے ایک طویل سانس بھری اور اسکے جانب کروٹ لی۔

بیٹا بیٹی اللہ کیطرف سے ہوتے ہیں۔جو وہ دیدے گا میں شکر ادا کرونگا کیونکہ اسکا یہی احسان بہت بڑا ہے کہ وہ مجھے باپ کی مسند پہ فائز کر رہا ہے۔اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔حمنٰی مسکرائی۔

میری صحبت میں تو آپ بہت عاجز و شکر گزار انسان بن گئے ہیں۔وہ شرارت سے بولی۔علی نے اسکے چہرے کے اطراف میں بکھری لٹوں کو انگلی سے چھوا۔

تم ہو ہی اتنی اچھی۔اسے برملا اعتراف تھا۔

کتنی اچھی؟ مسکراہٹ لبوں میں دبائے وہ پوچھ رہی تھی۔

بہت اچھی۔۔ علی کا لہجہ دھیما تھا۔

کتنی اسنے آنکھیں سکیڑ کے پوچھا۔

سب سے زیادہ۔اسنے جواب دیا۔

آپ سے بھی زیادہ۔اسنے اپنی آنکھیں پھیلائیں علی نے اسکی طرف دیکھا وہ مذاق کے موڈ میں معلوم ہوتی تھی۔

اوں ہوں۔۔ مجھ سے زیادہ اچھے ہونا تمہارا لیئے مشکل ہے۔وہ بھی جواباً شرارت آمیز لہجے میں بولا۔

ہوں بالکل آپ جیسا کھڑوس بننا میرے لئے ممکن ہی نہیں ہے۔وہ مزے سے بولی تو علی مسکرا اٹھا۔

کھڑوس۔۔نائس۔۔وہ زیر لب دہرا کے بولا۔

اچھا چھوڑیں ان باتوں کو یہ بتائیں کہ اگر بیٹا ہوا تو کیا نام رکھیں گے؟ وہ پھر سے اپنے پسندیدہ موضوع کیطرف آگئی۔

ہوں۔۔ علی سوچنے لگا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اگر بیٹا ہوا تو دانیال۔

نام تو اچھا ہے۔ حمنیٰ نے گردن ہلائی۔

اور اگر بیٹی تو۔

نور العین۔۔ علی نے ترنت کہا۔

گڈ۔

تمہیں کونسے نام پسند ہیں۔ علی نے اس سے پوچھا۔

مجھے لڑکوں میں زین اور لڑکیوں میں رابیل۔ اس نے جواب دیا۔

ٹھیک ہے پھر میری اور تمہاری پسند کے ناموں کی پرچیاں بنا کر قرعہ ڈال لیں گے۔

ٹھیک ہے۔ وہ پر سوچ انداز میں بولی۔ چند لمحے خاموش گزر گئے۔

کیا سوچ رہی ہو۔ علی نے اسکا ہاتھ ہلایا۔

جی کچھ نہیں۔ بس نیند آگئی ہے۔ وہ چونک کر بولی۔

اچھا سو جاؤ۔ اسنے پیار سے اسکا سر تھپتھپایا۔ حمنیٰ نے اسکے بازو پہ سر رکھ کر آنکھیں موند لیں۔
علی دھیرے دھیرے اسکے بال سہلانے لگا۔۔

علی۔۔۔

ہوں۔۔۔۔

کبھی کبھی لگتا ہے جیسے میں ڈوب رہی ہوں۔وہ غنودہ سی آواز میں بولی۔علی نے جھک کر اسکی پیشانی کو ہونٹوں سے چھوا۔

نہیں ڈوب سکتی تم کیونکہ مجھے تیرنا آتا ہے۔اسنے مدھم سی سرگوشی کی تھی۔حمنیٰ نے کچھ بیچین سے انداز میں اسکے مخالف سمت کروٹ بدل لی۔علی کا ہاتھ اسکے بالوں میں گردش کرتا رہا اور وہ کچھ دیر بعد واقعی سو گئی تھی۔علی نے اسکے کندھے پہ جھکتے ہوئے اسکے چہرے کی جانب دیکھا۔اسکو لگتا ہے میں اس کے ساتھ رشتہ تو نبھانا چاہتا ہوں۔مگر محبت نہیں کرتا۔۔پگلی۔وہ سوچتے ہوئے ہلکا سا مسکرایا اور پھر اسکا سر نرمی سے تکیئے پہ منتقل کر کے خود بھی لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔

جمعے کے روز وہ دونوں لاہور چلے گئے وہاں جا کر حمنیٰ کو بہت خوشی محسوس ہوئی تھی۔اس شہر کی فضاؤں میں جیسے امی ابو کی خوشبو بسی ہوئی تھی۔سب سے پہلے وہ دونوں امی ابو کے گھر آئے۔پرانے طرز پہ بنے اس گھر کے صحن کے فرش پر گرد کی تہیں جم چکی تھیں اور قطار در قطار رکھے گملوں میں امی کے ہاتھ کے لگائے پودے سوکھ کر مرجھا چکے تھے۔حمنیٰ کا دل بھر بھر آنے لگا۔

یہاں تو رکنا پاسیبل نہیں ہے۔کیا خیال ہے واپس چلیں۔علی نے اس سے پوچھا۔

ہاں چلیں۔وہ کھوئے کھوئے لہجے میں بولی تھی۔

کیا ہوا۔اداس کیوں ہو رہی ہو۔علی نے اسکے شانے پہ ہاتھ رکھا۔

نہیں بس یونہی امی ابو یاد آ گئے۔ وہ سر جھٹک کر ہلکا سا مسکرائی۔

انکی قبر پہ چلیں گے۔ علی نے تسلی دینے والے انداز میں کہا۔ اسنے سر ہلا دیا۔ کچھ دیر بعد علی نے اسے یونیورسٹی چھوڑ دیا۔ پھر دوپہر تک وہ ادھر مصروف رہی۔ اور علی اپنے کاموں میں بزی رہا۔ یونی سے نکل کر وہ اپنی ایک دوست کے گھر چلی گئی۔ وہاں وقت گزرنے کا پتہ ہی نہ چلا تھا۔ شام کو جا کر علی کو فراغت ملی تو وہ اسے پک کرنے آ گیا۔ حمنیٰ آج بہت دنوں بعد کھل کر ہنسی تھی دل سے خوش تھی۔ کچھ دیر ادھر ادھر گھومنے کے بعد انہوں نے ڈنر کیا اور واپسی کیلیئے رخت سفر باندھا۔ وہ دن حمنیٰ کی زندگی کا سب سے یادگار دن تھا۔ واپسی کے سفر میں وہ زیادہ تر غنودگی میں ہی رہی تھی۔ کھاریاں پہنچ کر علی نے اسے گھر چھوڑا اور خود ہیڈ کوارٹرز چلا گیا تھا۔ اسکی واپسی صبح ہوئی تھی۔ وہ تب تک نیند پوری کر چکی تھی۔ اسے دیکھ کر مسکرائی تھی۔ وہ بھی جواباً ہلکا سا مسکرایا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

تھک گیا ہوں یار۔ وہ صوفے پہ گرنے کے سے انداز میں بیٹھا۔

ناشتہ کریں اور سو جائیں۔ اس نے اپنے بالوں میں برش پھیرتے ہوئے کہا۔

نہیں بھوک نہیں ہے۔ بس سوؤں گا کچھ دیر۔ تم ایک کام کرنا۔ امی کو فون کر لینا۔ رات سے انکی کالز آ رہی ہیں۔ میں بزی تھا اٹینڈ نہیں کر سکا۔ وہ اٹھ کر وارڈروب کیطرف بڑھتے ہوئے بولا۔

تو ابھی کال کر لیں۔

نہیں یار تم کر لینا ناں۔ وہ کچھ اکتاہٹ بھرے انداز میں بولا تھا۔

علی آپ اپنی امی کو اتنا اوائڈ کیوں کرتے ہیں۔اس نے سنجیدی سے پوچھا۔

نہیں ایسی بات نہیں ہے۔وہ اس موضوع سے پہلو تہی کر رہا تھا۔

ایسی ہی بات ہے۔آپ ان کو اگنور کرتے ہیں۔حالانکہ وہ کتنا پیار کرتی ہیں آپ سے۔وہ بحث پہ آمادہ تھی۔

حمنیٰ میں نہیں کرتا کسی کو اگنور یار۔اور امی کی محبت کوئی اتنی انوکھی نہیں ہے۔وہ وارڈراب بند کر کے اسکی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

ہر ماں کی محبت انوکھی ہی ہوتی ہے۔آپ اسلیئے نہیں سمجھ سکتے کیونکہ آپ مرد ہیں۔لیکن آپکے سرد رویے پر آپکی امی کا دل کتنا دکھتا ہو گا یہ میں سمجھ سکتی ہوں۔وہ جذباتی ہو رہی تھی۔
علی نے طویل سانس بھری۔

زوباریہ کے کیے کی سزا آپ کئی سالوں سے اپنی ماں کو دے رہے ہیں۔کتنے سیلفش ہیں آپ۔حد درجہ بے حس۔وہ تاسف سے کہتی کمرے سے چلی گئی تھی۔علی نے گہری سانس لی اور چلتا ہوا صوفے پہ آ بیٹھا۔کچھ ثانیے بعد اسنے جیب سے موبائل نکال کر امی کا نمبر ملایا۔دو ہی تین بیلز کے بعد امی کی آواز سنائی دی تھی۔

ہیلو امی کیسی ہیں آپ۔وہ جب بولا تو اسکی آواز میں نمی تھی۔

تو کیسا ہے میرا بچہ۔انکی آواز میں بیتابی تھی۔

ٹھیک ہوں امی۔آپ نے اتنی بہترین شریک حیات جو چن لی ہے میرے لیئے اب میری

زندگی میں کوئی مشکل نہیں آسکتی امی۔ تھینک یو۔ وہ آنسوؤں کی آمیزش سے پر لہجے میں کہتا گیا تھا۔

جیتا رہ میرے بچے۔ حمنیٰ کہاں ہے۔

یہیں ہے۔ آپکی بات کرواتا ہوں۔ آپکو پتہ ہے امی آپ دادی بننے والی ہیں۔ وہ اٹھ کر کمرے سے باہر جاتے ہوئے انکو بتا رہا تھا۔

ماشاءاللہ۔ اللہ میرے بچے کی خوشیاں سلامت رکھے۔ امی تو نہال ہی ہو گئی تھیں۔ وہ حمنیٰ کی تلاش میں لاؤنج میں آیا وہ صوفے پہ بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ اسکے پاس چلا آیا۔

حمنیٰ یہ امی تم سے بات کرینگی۔ اس نے فون اسکی طرف بڑھاتے ہوئے کہا تھا۔ حمنیٰ نے ایک نظر اپنے شوہر کی سرخ ناک اور نم آنکھوں کیطرف دیکھا پھر دھیرے سے مسکرا کر فون اسکے ہاتھ سے لے لیا اور اپنی ساس سے بات کرنے لگی۔

علی میں نے آپکو ایک بات بتانی ہے۔

ہاں بولو۔ وہ لیپ ٹاپ پہ مصروف تھا۔

علی! مجھے شامین پہ کیس دائر کرنا ہے۔ وہ جھجھکتے ہوئے بولی۔ علی نے حیرت سے اسکی طرف دیکھا۔

کیوں۔

اسنے چیٹ کیا ہے مجھے۔

کیا مطلب۔ تفصیل سے بتاؤ۔ وہ لیپ ٹاپ سائیڈ پہ رکھ کر اسکی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ وہ اسکے پاس بیٹھ گئی۔ اور دھیرے دھیرے اسے سب بتا دیا۔

ہوں۔۔۔ علی نے سب سن کر ہنکارا بھرا۔

میں زوار سے بات کرتا ہوں۔ تم خود کو ان چکروں سے دور رکھو۔

لیکن یہ میری لڑائی ہے میں خود لڑوں گی۔ وہ اپنے ازلی ضدی پن سے بولی۔

کم آن یہ میرا تیرا کیا ہوتا ہے۔ تم میری بیوی ہو تمہاری ہر پریشانی میری ہے۔ وہ ماتھے پہ بل ڈال کر بولا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

لیکن علی۔۔

بس۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر سخت لہجے میں اس کی بات کاٹی۔

میں زوار سے بات کر لوں گا۔ تم بیکار ٹینشنز مت پالو۔ میرے پاس پیسے کی کمی نہیں ہے اس لیے تمہیں بھی پرواہ نہیں ہونی چاہیئے۔

بات پیسے کی نہیں کے۔۔ امی ابو نے مجھے وہ چیزیں بہت پیار سے دی تھیں۔ وہ اداس ہو گئی۔

میں بھی پیار سے ہی دیتا ہوں۔ وہ فوراً سے بولا۔

آپ نہیں سمجھ سکتے۔

تو سمجھا دو ناں۔وہ دھیما سا تبسم ہونٹوں میں دبا کر بولا۔

میں سونے جا رہی ہوں۔وہ اٹھنے لگی مگر اسنے اسکا ہاتھ تھام کر اسے روک لیا۔

اتنی سڑیل کیوں بن گئی ہو۔

ہر وقت انسان کا موڈ ایک جیسا نہیں ہوتا۔

منٰی تم پہ اداسی نہیں سجتی۔اس نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

میں بھی انسان ہوں۔اداس بھی ہو سکتی ہوں۔

آل رائٹ۔ہوتی رہو اداس۔وہ رخ پھیر کر بیٹھ گیا۔حمنٰی نے اسے شانے پہ سر رکھ کر اسکی گردن کے گرد بازو حمائل کر دیا۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اب فری کیوں ہو رہی ہو۔وہ منہ پھلائے ہوئے بولا۔

یہ تو میرا حق ہے۔اس نے مزے سے کہا۔

تم بہت تیز ہو منٰی۔وہ اسکے سر سے اپنا سر دھیرے سے ٹکرا کر بولا۔

بیوقوفوں کیلیئے کوئی جگہ نہیں ہے دنیا میں۔وہ دوبدو بولی۔علی ہنسنے لگا۔

تم اور تمہاری حاضر جوابی۔

آپ اور آپ کی غائب دماغی۔اسکا جواب تیار تھا۔علی کھل کر ہنسا تھا۔

آئی ہیٹ یو۔

جانتی ہوں۔

ہاں بھئی تم تو سب جانتی ہو۔اسکا موڈ بہت خوشگوار ہو گیا تھا۔

آپ زوار بھائی سے کب بات کرینگے۔

کل ہی بات کرونگا۔ڈونٹ وری۔اس نے اسکا سر تھپتھپایا تھا۔اس نے مطمئن انداز میں آنکھیں موند لیں۔علی اس سے باتیں کرتا رہا وہ ہوں ہاں کر کے سنتی رہی تھی۔

زوار سے بات ہو گئی ہے میری۔اگلے روز علی نے شام کے وقت اسے کال کی تھی۔

کیا کہا انہوں نے۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

بس بات ہو گئی ہے۔تمہاری چیزیں تمہیں وہ خود دے کر جائیگا۔

یہ کیسے ہو سکتا ہے۔اسے سن کر حیرت ہوئی تھی۔

سب کچھ ممکن ہے اس دنیا میں میری زوجہ محترمہ۔اسکے پیچھے کافی شور تھا۔

آپ گھر کب آئینگے۔

آج شاید نہ آؤں۔تم آرام سے سو جانا۔

کیوں نہیں آئینگے۔

منٰی۔۔ٹیپیکل بیویوں والے سوال نہیں پوچھا کرو یار۔

اچھا بابا بیشک کل بھی مت آئیں۔وہ جل کر بولی۔

ہاہاہا۔اوکے جو حکم۔وہ کھل کر ہنسا تھا۔

اچھا میں تمہیں میسیج کر دو نگارات تک۔اپنا خیال رکھنا۔اللہ حافظ۔

اللہ حافظ۔اس نے کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔کچھ ہی لمحوں بعد شامین کی کال آنے لگی۔اسنے اٹینڈ کر کے فون کان سے لگایا۔

حمنیٰ ہم کل تمہاری طرف آرہے ہیں۔شامین کی آواز میں ناراضگی کا عنصر تھا۔

موسٹ ویلکم ضرور آؤ۔وہ خوشدلی سے بولی۔

کچھ دیر کیلیئے ہی آئینگے ہم اللہ حافظ۔اس نے کہہ کر کال بند کر دی تھی۔حمنیٰ کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ خفا ہے۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اگلے روز صبح صبح شامین اور زوار بھائی چلے آئے۔علی ابھی تک گھر نہ آیا تھا۔وہ دونوں کچھ نالاں دکھائی دے رہے تھے اس نے ناشتے کا پوچھا تو صاف انکار کر دیا۔

یہ لو تمہاری چیزیں۔شامین نے زیورات کا ڈبہ اور پلاٹ کے کاغذات کی فائل اسکے سامنے رکھی۔

شکریہ۔

ویسے تمہیں اس طرح اپنے میاں کے ذریعے زوار کو دھمکیاں نہیں دلوانی چاہیئے تھیں۔شامین نے نروٹھے پن سے شکوہ کیا۔

دھمکیاں۔وہ حیران ہوئی تھی۔ تبھی علی کمرے میں داخل ہوا۔

بالکل دھمکیاں وہ بولتے ہوئے کمرے کے عین وسط میں کمر پہ ہاتھ رکھے تن کر کھڑا ہو گیا۔

تم تو شادی ہی نہیں کرنا چاہتے تھے اب بہت محبت ہو گئی ہے بیوی سے۔شامین نے طنز کیا۔

بیوی سے محبت کرنا کوئی غلط بات تو نہیں ہے بھابی۔اور بیوی کے حق کیلیئے لڑنا بھی بالکل ناجائز نہیں ہے۔وہ ہموار لہجے میں بول رہا تھا۔

تمہاری بیوی کا حق کونسا ہم نے کھالینا تھا۔شامین ہاتھ نچا کر بولی۔

ارادہ تو یہی تھا آپ لوگوں کا۔وہ دوبدو بولا۔

تم بلاوجہ ہم سے متنفر ہو رہے ہو علی۔ہمیں بس پیسوں کی ضرورت تھی۔زوار بھائی نے بات سنبھالی۔

تو آپ کو حمنیٰ سے اجازت لینی چاہیئے تھی آپکی زوجہ کو مکرنے کا حق کس نے دیا تھا۔وہ تپے ہوئے موڈ میں تھا۔

ہاں تم ٹھیک کہتے ہو۔واقعی ہمیں اجازت لینی چاہیئے تھی۔زوار بھائی بولے۔

وہ علی تھا میجر علی مرتضیٰ اسکے سامنے زوار بھائی زبان کے جوہر نہیں دکھا سکتے تھے۔کچھ دیر بعد وہ دونوں چلے گئے۔

یہ رشتہ بھی کھو دیا میں نے۔وہ انکے جانے کے بعد یاسیت سے بولی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

غیر مخلص لوگوں کا ہجوم لگا کر کیا کرنا ہے تم نے۔

بہن ہے وہ میری۔

دوڑ کر منالو پھر۔وہ برا سا منہ بنا کر بولا تھا۔وہ کچھ نہ بولی۔علی نے آگے بڑھ کر اسکے دونوں ہاتھ تھام لیئے۔

منٰی غیر مخلص لوگوں کو کتنے بھی چانسز دو وہ آپکو گزند پہنچانے سے باز نہیں آتے۔وہ سنجیدہ لہجے میں بولا تھا۔اسنے دھیرے سے سر ہلا دیا۔

دن مہینوں میں ڈھلنے لگے۔سردیوں کا موسم شروع ہوا اور اس سرد موسم میں اسکے اور علی کے درمیان محبت کا رشتہ مضبوط تر ہونے لگا تھا۔وہ دونوں اک دوجے کا خیال رکھتے۔احساس کرتے اور جی بھر کر باتیں کرتے۔وہ ایک دوسرے کیلیئے لازم و ملزوم بنتے جا رہے تھے۔ زندگی ایک نارمل ڈگر پہ چلنے لگی تھی۔

یہ مارچ کے اختتامی ہفتے کی بات تھی۔سردیاں بہار میں ڈھل چکی تھیں۔درختوں نے پھر سے سبز لباس پہن لیا تھا۔ہر سو پھول کھل رہے تھے۔انہی مہکے مہکے دنوں میں ایک دن علی شام کو گھر آیا تو بالکل چپ تھا۔نہ تو اس نے آتے ہی اسے پکارا تھا نہ ہی اسے ڈھونڈا تھا بلکہ آکر بس خاموشی سے لاؤنج کے صوفے پہ بیٹھ گیا تھا۔

ارے آپ کب آئے۔اسنے کمرے سے باہر آتے ہوئے پوچھا۔علی نے اسکی طرف دیکھا۔وہ زرد رنگ کے سادہ سے شلوار قمیض میں کافی نکھری نکھری نظر آ رہی تھی۔

حمنیٰ ہمیں ایبٹ آباد جانا ہے۔وہ اجنبی سے انداز میں بولا تھا۔حمنیٰ نے دیکھا اسکی سنہری آنکھوں میں سرخی تیر رہی تھی۔

کیوں خیریت۔اس نے اسکے شانے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔علی اٹھ کھڑا ہوا۔

تایا ابو کا فون آیا تھا۔زوباریہ کے ہزبینڈ کہ ڈیتھ ہو گئی ہے۔اسنے حمنیٰ کیطرف دیکھ کر ایک ایک لفظ رک رک کر ادا کیا تھا۔

اوہ۔۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔اس نے زیر لب پڑھا۔

میں کچھ پیکنگ کر لیتا ہوں۔شاید دو تین رکنا پڑے۔وہ کہہ کر کمرے میں چلا گیا۔وہ اسکے پیچھے پیچھے آئی۔وہ وارڈروب سے بیگ نکال کر بستر پہ رکھ رہا تھا۔

کیسے ڈیتھ ہوئی زوباریہ کے شوہر کی؟اس نے دروازے میں ہی رک کر پوچھا۔

خودکش بم دھماکے میں ہلاک ہو گیا وہ۔علی الماری میں سے اسکے اور اپنے ایک دو جوڑے نکالتے ہوئے بولا۔۔وہ کچھ بول نہ سکی تھی۔جس نے علی کو اسلئے چھوڑا تھا کہ وہ فوجی ہے اور بم دھماکوں کا شکار ہو سکتا ہے اس کا بزنس مین شوہر بم دھماکے میں مر گیا تھا اور علی مرتضیٰ تو آج بھی زندہ تھا۔اسنے غور سے علی کیطرف دیکھا اسکا چہرا سپاٹ تھا۔بالکل بے تاثر۔وہ پلٹ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

گاڑی ایبٹ آباد کی بل کھاتی سڑکوں سے گزرتی ہوئی اس عالیشان سے بنگلے کے سامنے آ رکی

تھی۔ علی مرتضیٰ نے گاڑی سے اترتے ہوئے سر اٹھا کر آسمان کیطرف دیکھا۔سیاہ بادلوں برسنے کو بیتاب تھے۔ ٹھنڈی ہوا جسم کو چیر رہی تھی۔اسنے پلٹ کر حمنیٰ کی طرف دیکھا۔وہ ایک شال لپیٹے ہوئے تھی لیکن یہ شال اس سردی کو روکنے کیلیئے ناکافی تھی۔

اسنے آگے بڑھ کر اسکے کندھے پہ بازو پھیلایا۔ڈرائیور گاڑی سے سامان نکال رہا تھا۔

تم اندر چل کر فریش ہو جاؤ۔میں تایا ابو کے گھر سے ہو کر آتا ہوں۔اس نے حمنیٰ سے کہا۔

نہیں میں بھی چلتی ہوں کتنا برا لگے گا انکے گھر میں کہرام مچا ہوا ہے اور میں آرام کرتی رہوں وہ بولی۔

تم تھک گئی ہو ناں۔

نہیں میں بالکل ٹھیک ہوں۔ چلیں اس نے اپنی بات پر زور دے کر کہا تو علی نے ڈرائیور کو سامان اندر پہنچانے کا کہا اور حمنیٰ کا ہاتھ تھام کر قدم تایا ابو کے گھر کی جانب بڑھا دیئے۔

گیٹ کے دونوں پٹ وا تھے۔وہ دونوں اندر داخل ہوئے۔پورچ میں کچھ گاڑیاں کھڑی تھیں۔لان پہ کچھ فاصلے سے مرد ٹولیوں میں کھڑے تھے۔سرد ہوا کے جھونکے ان دونوں کے وجود سے ٹکرا رہے تھے اور اب ان جھونکوں کیساتھ بارش کے قطرے بھی تھے۔حمنیٰ کے ہاتھ سرد ہونے لگے۔ علی اسکا ہاتھ پکڑے مین ڈور کیطرف بڑھ گیا۔مین ڈور بھی کھلا ہوا تھا اور لوگ آ جا رہے تھے۔وہ دونوں آگے پیچھے اندر آئے۔

ارے علی۔ کوئی علی کو دیکھتے ہی بولا۔وہ دونوں رک گئے۔یہ ایک ادھیڑ عمر آدمی تھا۔

اسلا علیکم انکل۔ علی ان سے بغل گیر ہوا۔

!وعلیکم السلام

تایا ابو کہاں ہیں؟ علی نے پوچھا۔

بڑے کمرے میں ہیں۔ قیامت ٹوٹ پڑی الیاس کے گھر پر تو۔ زوبار یہ کا تو صدمے سے برا حال ہے۔ وہ تاسف سے بتا رہے تھے۔

ہوں۔۔ میں ان سے مل لوں۔

یہ تمہاری بیوی ہے انکی نظر حمنیٰ پہ پڑی تو پوچھ بیٹھے۔

جی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اسلام علیکم وہ جلدی سے بولی۔

جیتی رہو بیٹی۔ انہوں نے اسکے سر پر ہاتھ رکھا۔

جنازہ کب ہے انکل؟ علی نے پوچھا

ابھی تو ڈیڈ باڈی ہی نہیں آئی کراچی سے۔ ایک گھنٹے تک لاش پہنچے گی پھر ہی دیکھیں گے۔ موسم کے تیور بھی بدل رہے ہیں۔ بس اللہ کرے کہ لاش آرام سے پہنچ جائے۔ تم مل لو الیاس سے صبح سے کافی بار تمہارا پوچھ چکا ہے۔ وہ کہہ کر مین ڈور کیطرف بڑھ گئے تھے۔ علی اسے لیئے طویل راہداری سے گزر کر بڑے کمرے میں آیا۔ یہاں پہ مرد حضرات جمع تھے۔

منٰی تم ادھر چلی جاؤ۔ علی نے بائیں طرف اشارہ کر کے کہا۔ وہ سر ہلا کر پلٹ کے بائیں طرف والے کمرے میں داخل ہوئی۔ یہ ایک کافی بڑا سا کمرہ تھا جو شاید ٹی وی لاؤنج کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ مگر اس وقت تو فرش پہ سفید چادریں بچھائی گئی تھیں جن پہ جابجا عورتیں بیٹھی باتیں کر رہی تھی۔ وہ اندر داخل ہوتے ہی کچھ جھجھک گئی۔ وہ سب چہرے اسکے لیئے نئے تھے۔

آؤ بیٹا۔ ایک عورت اس کی طرف بڑھی۔ اسے تھوڑی ڈھارس ہوئی۔

میں علی کی وائف ہوں۔ اس نے جلدی سے اپنا تعارف کروایا۔

ارے آؤ آؤ۔ بھابی دیکھیں علی کی بیوی آئی ہے۔ وہ خاتون اسکا ہاتھ پکڑے اونچا اونچا بولتیں اسے لیئے ایک بہت خوبصورت ادھیڑ عمر خاتون کے پاس لے گئیں۔ تمام عورتیں اسکی جانب متوجہ ہو گئی تھیں۔ ان ادھیڑ عمر خاتون نے اسکی طرف دیکھا پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔

علی بھی آیا ہے۔ انہوں نے اس سے پوچھا۔

جی۔ آئے ہیں۔ اس نے جواب دیا۔

میں علی کی تائی ماں ہوں۔ آؤ زوبار یہ سے ملواؤں تمہیں۔ وہ بہت اداس نظر آ رہی تھیں۔ حمنٰی انکے ساتھ ہو لی۔

وہ اسے ساتھ لیئے ایک کمرے میں آئیں وہ کمرہ کسی کی خواب گاہ معلوم ہوتا تھا۔ ایک شاندار انداز میں سجائی گئی خواب گاہ۔۔ فرش پہ دبیز قالین تھا کھڑکیوں پہ ہلکے سرمئی رنگ کے ریشمی پردے کمرے کے بیچوں بیچ ایک پرانے طرز کی لکڑی کی مسہری رکھی تھی جس کے چاروں

طرف سفید جالی کے پردے جھول رہے تھے اور جسکے پائے اور کراؤن پہ خوبصورت کشیدہ کاری کی گئی تھی۔۔اور اسی مسہری کے قریب قالین پہ گھٹنوں میں منہ چھپائے ایک لڑکی بیٹھی ہوئی تھی۔

زوباریہ بیٹے دیکھو علی کی بیوی آئی ہے۔آنٹی نے اس لڑکی کے شانے پہ ہاتھ رکھا تو اس نے دھیرے دھیرے سر اٹھایا۔

حمنیٰ کی جانب اسکی پشت تھی۔وہ دھیرے سے اٹھی اور اسکی جانب پلٹی۔حمنی اگلا سانس نہ لے سکی تھی۔۔۔وہ حسن بے پناہ کی تصویر تھی۔۔وہ مرمر کا مجسمہ تھی۔۔آنکھیں یوں تھی کہ ختن کے ہرن چوکڑیاں بھول جائیں ناک کسی یونانی دیوی کیطرح ستواں لب جیسے سچ مچ گلاب کی پنکھڑیوں سے تراشے ہوئے اور چہرے کی رنگت ایسے جیسے تازہ مکھن میں گلابی رنگ کی ہلکی سی پچکاری مار دی گئی ہو۔وجود ایسا جیسے سانچے میں ڈھلا ہو قد و قامت اس قدر متناسب کہ الفاظ ملنا مشکل۔۔اور سیدھے لمبے کتھئی رنگ کے ریشمی بال جو فی الوقت بے ترتیبی سے شانوں پہ بکھرے ہوئے تھے۔اسکے چہرے پہ حزن تھا آنکھوں میں سرخی۔۔۔وہ غمزدہ۔۔از حد غمزدہ دکھائی دے رہی تھی۔۔وہ حسین از حد حسین نظر آرہی تھی۔

تم علی کی بیوی ہو۔اس حسن کے دیوی کے لب ہلے تو آواز یوں نکلی جیسے کسی مالا کے موتی چھن چھن کرتے بکھر گئے ہوں۔

جی۔وہ بمشکل بول سکی۔اس دیوی کا حسن مسحور کن تھا۔

آؤ بیٹھو تھک گئی ہو گی تم۔اسکی دلنواز نیلی آنکھیں ایک لحظہ کو حمنیٰ کے سیاہ چادر میں چھپے

سراپے میں الجھی تھیں اور اسے یہ جان لینے میں ہر گز دقت نہ ہوئی تھی کہ وہ اپنے اندر ایک اور وجود کو سموئے ہوئے ہے۔ حمنی چند قدم آگے بڑھی اور اسے گلے لگا لیا۔ زوباریہ اسکے کندھے پہ سر رکھ کر رونے لگی تھی۔ حمنی کی آنکھوں پہ بھی نمی اترنے لگی۔

خود کو اسٹرونگ بنائیں۔ اللہ انسان کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑتا۔ اسنے اس سے الگ ہوتے ہوئے نرم لہجے میں کہا تھا۔ زوباریہ نے اپنے انتہائی خوبصورت ہاتھوں سے اپنی دونوں گالیں رگڑ کر سرخ کر ڈالیں۔ قریب سے دیکھنے پہ وہ اور بھی زیادہ حسین تھی حمنیٰ نے اتنا بے داغ اور مکمل حسن کبھی نہ دیکھا تھا۔

بیٹھو۔ اس نے مدھم آواز میں کہا۔ وہ مسہری کے کنارے بیٹھ گئی۔ زوباریہ بھی اسکے پاس بیٹھ گئی جبکہ آنٹی کمرے سے چلی گئیں۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

تمہارا نام کیا ہے؟ چند ثانیے بعد زوباریہ نے اس سے پوچھا۔

حمنیٰ۔

اچھا نام ہے۔ اس نے سر ہلایا۔ حمنیٰ کے پاس بولنے کو کچھ نہ تھا۔ کافی دیر دونوں کے درمیان خاموشی رہی۔ پھر آنٹی کے آنے پر وہ دونوں چونکی۔

بیٹا علی تمہیں بلا رہا ہے۔ انہوں نے اس سے کہا۔ زوباریہ جلدی سے اٹھی تھی۔

علی آیا ہے ممی۔ اسکے لہجے میں بے تابی تھی۔

ہاں باہر ہے لاؤنج میں۔ انہوں نے جواب دیا۔ زوباریہ بہت بے اختیارانہ انداز میں باہر

کیطرف بڑھی تھی۔ حمنیٰ نے ایک تھکی تھکی سی سانس خارج کی اور کمرے سے باہر نکلی۔ سامنے ہی لاؤنج میں علی ایک جانب کھڑا تھا۔ اکھڑا اکھڑا سا۔ زوباریہ تیزی سے اسکے سامنے جا رکی تھی۔ وہ اسکی طرف متوجہ ہوا۔ وہ سیاہ لباس میں بکھرے بالوں اور بہتی آنکھوں کیساتھ اسکے روبرو تھی۔۔ وہ دس سالوں بعد اسے دیکھ رہا تھا۔ دس سال قبل بھی وہ بے حد حسین تھی دس سال بعد بھی وہ ہوش ربا تھی۔۔ بس فرق یہ تھا کہ تب وہ دلہن بن کر رخصت ہو رہی تھی اور آج وہ اجڑ چکی تھی۔

شمریز مر گیا علی۔ وہ اسکے سامنے کھڑی روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ علی کے دل کو دھکا سا لگا تھا۔

وہ بم دھماکے میں مر گیا علی۔۔ مسخ ہو گیا چہرہ اسکا۔ وہ بری طرح رو رہی تھی ٹوٹ رہی تھی۔ حمنیٰ کچھ فاصلے پہ بالکل چپ کھڑی تھی۔ کمرے میں موجود سب نفوس علی اور زوباریہ کیجانب متوجہ تھے۔

میں ساری زندگی اس ان سرٹینیٹی میں نہیں گزار سکتی کہ نجانے تم زندہ واپس آؤ گے یا مردہ یا کسی بم دھماکے کا شکار ہو کر لاش کی صورت میں۔ علی کے ارد گرد دس سال قبل کے ریہ کے الفاظ گونجے تھے۔ اسے زوباریہ کی سسکیاں سنائی دینا بند ہو گئی۔

علی۔ زوباریہ نے اسکا بازو پکڑا تو وہ چونکا۔

شمریز چلا گیا علی۔۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

صبر کرو زوباریہ۔ اس نے ضبط کی کڑی منزلوں سے گزرتے ہوئے اسکے سر پہ ہاتھ رکھا۔ وہ

دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے سسک رہی تھی۔ علی کو اس لڑکی پہ بے طرح ترس آیا تھا۔ وہ اسے اس حال میں کبھی نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ دفعتاً اسکی نظریں دور کھڑی حمنیٰ تک گئیں۔ اسکے چہرے کی رنگت زرد ہو رہی تھی۔ وہ تیز قدموں سے اسکی جانب آیا تھا۔

چلو حمنیٰ کچھ دیر چل کر ریسٹ کر لو۔ اس نے اسکا ہاتھ تھام کر مضبوط لہجے میں کہا تھا۔ زوباریہ نے اپنے چہرے سے ہاتھ ہٹا ان دونوں کیطرف دیکھا۔

کچھ دیر رک جاؤ علی۔ وہ روتے لہجے میں بولی تھی۔

حمنیٰ کو آرام کی ضرورت ہے۔ تم بھی آرام کرو۔ امی کل پہنچیں گی تائی ماں۔ ہم بھی کچھ دیر بعد آجائینگے۔ چلو حمنیٰ۔ وہ ہموار لہجے میں کہہ کر اسکا ہاتھ تھامے کمرے سے نکل گیا تھا۔

زوباریہ کی نم نیلی آنکھوں نے انکا تعاقب کیا تھا۔ اور پھر مایوس پلٹ آئی تھیں۔

جس وقت شمریز کی لاش گھر پہنچی تب آسمان سے چھاجوں چھاج مینہ برس رہا تھا۔ لاش کی کنڈیشن ایسی نہ تھی کہ اسے زیادہ دیر تک رکھا جا سکتا لہٰذا اسی برستی بارش میں اسکی تدفین کا انتظام کیا گیا۔ زوباریہ کی حالت غیر تھی۔ اسے غش پہ غش آرہے تھے۔ حمنیٰ کا دل اسکو دیکھ دیکھ کر دکھ رہا تھا۔ جس وقت مرد حضرات جنازہ اٹھانے اندر آئے تو نڈھال ہوتی زوباریہ تڑپ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

نہیں شمریز۔۔۔ وہ چلانے لگی۔ کچھ عورتوں نے آگے بڑھ کر اسے تھام لیا وہ بے قابو ہوئی جا رہی تھی۔ الیاس صاحب بیٹی کی حالت دیکھ کر ہمت ہارنے لگے۔ علی آگے بڑھا۔

ہمت کریں تایا ابو۔ اس نے انکے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔

میری بچی ہی کیوں علی؟ وہ بکھرنے لگے۔

اللہ کو یہی منظور تھا تایا ابو پلیز آگے بڑھیں۔ اسکا لہجہ ہموار تھا۔ وہ سب آگے بڑھے اور شمریز کا جنازہ کندھوں پہ اٹھایا۔ علی سب سے آگے تھا۔ لاشیں اٹھانا اسکے لیئے کوئی نئی بات نہ تھا۔ مگر اس نے یہ کبھی نہ سوچا تھا کہ وہ زوباریہ کے شوہر کا جنازہ اپنے کندھوں پہ اٹھائے گا۔

علی نہیں لے کر جاؤ شمریز کو۔ زوباریہ اپنا آپ چھڑوا کر جھپٹ کر اسکے قریب آئی تھی۔ علی نے ایک نظر اس پہ ڈالی۔ وہ سیاہ لباس میں بکھرے بالوں اور بہتی آنکھوں کیساتھ حواس باختہ ہو رہی تھی دوپٹہ ندارد تھا۔

آنٹی اسکو لے جائیں۔ اس نے تائی اماں کو مخاطب کر کے کہا۔ کچھ عورتیں آگے بڑھیں۔

علی۔۔۔ مت لیکر جاؤ شمریز کو۔۔ مت لیکر جاؤ۔ میں کیسے جیئوں گی اسکے بغیر۔۔ شمریز۔۔۔ شمریز۔۔ وہ چلا چلا کر رو رہی تھی عورتیں اسکو سنبھالنے میں نڈھال ہو رہی تھی۔ جنازہ کلمہ شہادت کی صدا کے ساتھ آگے بڑھ چکا تھا۔ زوباریہ چیختی رہی روتی رہی اور شمریز سبحانی منوں مٹی تلے جا سویا تھا۔

رات تک جب زوباریہ کی حالت کسی صورت نہ سنبھلی تو آخر ڈاکٹر کو بلوایا گیا اور اس نے اسے سکون آور انجکشن دے دیا۔ جس کے زیر اثر وہ کچھ دیر بعد سو گئی تھی۔ اسکے سو جانے کے بعد حمنیٰ اپنے پورشن کیطرف چلی آئی۔ اسکی طبیعت عجیب سی ہو رہی تھی۔ ڈپریشن سا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ اپنے پورشن میں آکر لاؤنج میں صوفے پہ بیٹھ گئی اور اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ ہر طرف ایک سوگوار سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اسکے سر میں درد ہونے لگا تھا۔

حمنیٰ۔ علی کی آواز پہ وہ بے طرح چونکی۔ وہ اسکے سر پہ کھڑا اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔

جی۔

کیا ہوا ہے؟

کچھ نہیں۔

طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟ وہ فکر مند نظر آ رہا تھا۔

جی۔ ایک پھیکی سی مسکراہٹ اسکے چہرے پر ابھری۔

کھانا کھایا تم نے؟ وہ اسکے پاس ہی بیٹھ گیا۔

نہیں دل نہیں کر رہا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

منیٰ رات کو بھوکے نہیں رہتے۔ میں کھانا لا رہا ہوں بے شک تھوڑا سا کھا لینا۔ وہ کہہ کر اٹھ کے کمرے سے چلا گیا تھا۔ اسنے ایک گہری سانس بھر کر سر صوفے کی پشت سے ٹیک لیا۔

اگلے دن روبی آنٹی بھی آ گئی تھیں۔ اور زوباریہ کی حالت دیکھ کر انکا دل بھی بے طرح بھر آیا تھا۔ تمام تر اختلافات کے باوجود وہ انکی بیٹی کے جیسی تھی انہوں نے بچپن سے اسے گود میں کھلایا تھا۔ اسکے لیئے دل سے بد دعا وہ کبھی نہ کر سکی تھیں۔ وہ شام تک زوباریہ کے پاس ہی رہی۔ پھر کچھ دیر کو اپنے پورشن میں چلی آئیں۔ حمنیٰ اپنے کمرے میں تھی جبکہ علی لاؤنج میں ہی تھا۔ وہ بھی وہیں بیٹھ گئیں۔

ہاہ۔۔ بہت بد قسمت ہے زوباریہ۔ وہ تاسف سے بولیں۔ علی نے ایک سنجیدہ سی نظر ان پہ

ڈالی۔

بیٹھے بٹھائے گھر اجڑ گیا بیچاری کا۔میرا تو دل رو رہا ہے بچی کی حالت دیکھ کر۔انکے آنسو پھر سے بہنے لگے۔وہ بالکل چپ تھا۔

ہاہ۔۔۔تیری بیوی کدھر ہے؟

کمرے میں ہے۔

اسکو بولو کہ جا کر زوباریہ کے پاس بیٹھے اسکا دھیان بٹانے کی کوشش کرے۔

اسکی اپنی طبیعت ٹھیک نہیں ہے امی۔اس ماحول کا اس پہ کافی نیگٹو اثر ہوا ہے۔بی پی ہائی ہے اسکا صبح سے۔وہ اسکے لیئے فکر مند تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اس حالت میں اتنا تو ہو ہی جاتا ہے تو کیوں پریشان ہو رہا ہے۔

وہ بیوی ہے میری۔میں اسکے لیئے پریشان نہیں ہونگا تو اور کس کے لیئے ہونگا۔وہ شانے اچکا کر بولا۔

ہاں دیکھ رہی ہوں بیوی کا ہی ہو کر رہ گیا ہے تو۔وہ طنز کر گئی تھیں۔

میاں بیوی کو ایک دوسرے کا ہی ہو کر رہنا چاہیئے امی۔تبھی زندگی بہترین طور پر گزرتی ہے۔یکطرفہ رشتے تو بہت کھوکھلے ہوتے ہیں۔وہ ہموار لہجے میں بول رہا تھا۔وہ لاجواب ہو گئیں۔

اچھا تو ملا زوباریہ سے۔انہوں نے چند لمحوں بعد پوچھا۔

کل ہوئی تھی ملاقات۔ لیکن مجھے اس سے ملنا آکورڈ سا لگ رہا ہے۔

ہوں۔۔ لیکن تجھ سے بات کر کے اسکے دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔

امی وہ عدت میں ہے اور میں نامحرم ہوں اسکے لیئے۔ اسکا لہجہ ذرا سخت تھا۔

بچپن کا ساتھی ہے تو اسکا علی۔ اتنا کٹھور نہ بن۔ امی نجانے اس سے کیا چاہتی تھیں۔

میں کٹھور نہیں بن رہا ہوں امی۔ مجھے بہت دکھ ہے اسکے اجڑ جانے کا۔ مگر میرا اس سے ملنا مناسب نہیں ہے۔ بچپن گزر چکا کب کا امی۔ اب بچپن کہیں نہیں ہے۔ وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا اور انکا جواب سنے بنا تیز قدموں سے چلتا ہوا گھر سے باہر نکل آیا۔ باہر شام کے دھندلے سایے پھیل چکے تھے۔ آسمان آج بھی بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا اور یخ بستہ ہوا میں ہلکی سی نمی تھی۔ وہ برآمدے کی سیڑھیاں طے کر کے لان پہ اتر آیا۔ اسنے شام کی دھندلی روشنی میں دور تک پھیلے اس طویل لان پہ نظر دوڑائی۔ بہت دور بچپن کے کچھ منظر اسکی آنکھوں کے سامنے گڈمڈ ہونے لگے تھے۔ یہیں اسی لان پر وہ اور زوباریہ پکڑم پکڑائی کھیلا کرتے تھے سائیکل چلاتے تھے۔۔ کرکٹ کھیلا کرتے تھے اور جب کبھی وہ زوباریہ کی بال پہ زوردار چھکا لگاتا تھا تو وہ خفا ہو جاتی تھی۔

تم چیٹر ہو علی۔ وہ غصے سے بولتی۔ وہ کیپ سر پہ درست کرتا دائیں ہاتھ میں بیٹ گھماتا ہوا اتپانے والی مسکراہٹ اسکی جانب اچھالتا۔

میں نے کہا تھا تمہیں لڑکیاں کرکٹ نہیں کھیل سکتیں۔ وہ اسے چڑاتا اور وہ چڑ جاتی۔

میں سب کچھ کر سکتی ہوں سمجھے تم۔وہ تن کر کہتی۔

ہاہاہاہ یہ منہ اور مسور کی دال۔وہ اسے انگوڑھا دکھاتا۔

چچی۔۔وہ بلند آواز میں برآمدے میں بیٹھی امی کو آواز لگاتی تو وہ فوراً سے علی کو جھاڑ دیتیں اور وہ سعادتمندی کیساتھ زوباریہ کی اگلی بال پہ وکٹوں کے سامنے سے بالکل ہٹ کر کھڑا ہو جاتا نتیجتاً بال سیدھے وکٹوں کو ہٹ کرتی اور وہ آؤٹ ہو جاتا۔

ہرا۔۔دیکھا تم نے لڑکیاں کرکٹ کھیل سکتی ہیں۔وہ تمتماتے چہرے کے ساتھ چلاتی۔

بالکل اور تم تو سب کچھ کر سکتی ہو۔وہ اپنے سر سے کیپ اتار کر اسکے سر پہ پہناتا تو وہ ایک شان سے مسکرا دیتی۔۔

وہ یہ کبھی نہ جان پائی تھی کہ علی مرتضیٰ اس سے ہار جانے کو اپنی جیت تصور کرتا تھا۔وہ تو بس اسکی ہار کو اپنی جیت سمجھ کر مسرور ہوتی تھی۔

علی کے قدم لان کو طے کرتے ہوئے تایا ابو کے پورشن کیطرف بڑھ رہے تھے۔دونوں گھروں کے درمیان لگا لوہے کا سلاخوں دار زنگ آلود دروازہ کھلا ہوا تھا وہ اسکے قریب رک گیا۔بچپن میں وہ دونوں اس دروازے پہ لٹک کر جھولے لیا کرتے تھے۔اور ایکبار زوباریہ کا ہاتھ پھسل گیا تھا وہ زور سے گری تھی اور اسکی ہتھیلیاں چھل گئیں تھی۔اس دن کے بعد سے علی نے دروزے پہ لٹک کر جھولنا چھوڑ دیا تھا۔

اس نے دروازے کو دھکا دیا وہ آواز کیساتھ کھلتا گیا وہ سست قدموں سے اس طرف نکل آیا۔تایا

ابو کے پورشن پہ اس سمے سناٹے کا راج تھا۔شام کے سایے رات میں ڈھل گئے تھے۔اسنے اس اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ کر دیکھا یہاں ہر سو بچپن کی یادیں بکھری پڑی تھیں۔۔ محبتوں کے وعدے بکھرے پڑے تھے۔۔اسنے ایک گہری سانس بھری اور واپسی کیلیئے پلٹ گیا۔

علی۔بہت مانوس سی پکار پہ اسکے قدم رک گئے۔

جارہے ہو۔وہ پوچھ رہی تھی۔

وہ رک گیا تھا مگر پلٹا نہیں۔

ہاں۔

کیوں۔

جانا تو ہے ہی۔

مجھ سے ملے بغیر جارہے تھے۔وہ اسکے عقب میں تھی وہ اسے دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔

تم سے ملنے آیا ہی نہیں تھا۔

مگر میں تو تمہارا انتظار کر رہی تھی۔

مت کیا کرو انتظار میرا۔میں تم سے ملنے نہیں آؤنگا۔اسکا لہجہ سخت تھا۔زوباریہ کے لبوں سے ہلکی سی سسکی نکلی۔

ہاں مجھ سے ملنے کیوں آؤ گے تم بھلا۔تم تو اپنی بیوی سے ملنے جاؤ گے ناں۔

ہاں۔ بالکل۔

اچھی ہے تمہاری بیوی۔

بہترین ہے۔ وہ اسکی طرف پلٹا۔ اس سیاہ رات میں اسے زوباریہ کے نقوش بہت مٹے مٹے سے لگے تھے۔

بہت چاہتے ہو اسے۔

اسے ہی تو چاہتا ہوں۔ اسکا جواب بہت بے ساختہ تھا۔ زوباریہ نے گہری سانس بھری۔

تم عدت میں ہو زوباریہ اور تمہیں اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے۔ جاؤ اندر جا کر بیٹھو۔ یہاں ویسے بھی بہت سردی ہے۔ تم بیمار پڑ جاؤ گی۔ وہ سنجیدہ لہجے میں کہہ رہا تھا۔ وہ کچھ کہے بناء پلٹ گئی وہ وہیں کھڑا اسے جاتے دیکھتا رہا۔ وہ گھر کے اندر چلی گئی تو وہ بھی اپنے گھر لوٹ آیا۔

دروازے پہ ہلکا سا ناک کر کے وہ اندر داخل ہوا تو بستر پہ بیٹھی حمنیٰ بے طرح چونک گئی تھی۔

کیا ہوا منیٰ۔ وہ اسکے پاس چلا آیا۔ وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے ہوئے تھی۔

آپ اچانک سے آئے تو میں ڈر گئی تھی۔ اس نے چہرے سے ہاتھ ہٹا کر کہا۔ وہ اسکے سامنے بیٹھ گیا۔

مجھ سے ڈرنے کب سے لگی ہو تم؟

آپ سے نہیں آپکی اچانک آمد سے ڈر گئی تھی۔وہ پھیکی سی مسکراہٹ کیساتھ بولی تھی۔

منٰی! تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں۔اس نے فکر مندی سے پوچھا۔

ٹھیک ہوں۔وہ مسکرائی۔

لگ تو نہیں رہی۔اسنے اسکی آنکھوں میں جھانکا تو وہ نظریں چرا گئی۔

منٰی! میں تمہیں پکارتا ہوں تو تم ڈر کیوں جاتی ہو۔پہلے تو ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔

ایسا کچھ نہیں ہے علی۔

میری طرف دیکھ کر بات کرو۔اسنے اسکا چہرہ اپنی طرف موڑا۔

تمہیں ٹمپریچر ہے۔اسے اسکا چہرا معمول سے زیادہ گرم محسوس ہوا تھا۔

معمولی سا ہے۔موسم کی تبدیلی کی وجہ سے۔وہ اپنے آپکو نارمل ظاہر کر رہی تھی۔

تمہیں ریسٹ کی ضرورت ہے منٰی۔

ریسٹ ہی تو کرتی ہوں سارا دن۔

سوچا بھی مت کرو۔

سوچوں پہ تو بند نہیں باندھا جا سکتا۔

باندھو بند سوچوں پر اور سو جاؤ۔نماز پڑھ لی تم نے؟

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

جی پڑھ لی ہے۔

اوکے پھر لیٹ جاؤ۔اس نے اسکے پیچھے تکیہ سیٹ کیا۔وہ بے چوں چراں لیٹ گئی علی نے اس پہ کمبل برابر کیا۔

میں نماز پڑھ لوں۔تم سو جاؤ اوکے۔وہ اسکے بال سہلا کر بولا۔وہ ہلکا سا مسکرائی تھی۔وہ پلٹ کر واش روم میں گھس گیا۔کچھ دیر بعد وہ وضو کر کے باہر آیا اور پتلون کے پائینچے موڑ کر کمرے کے کونے میں جائے نماز بچھا کر نماز پڑھنے لگا۔وہ نیم وا آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی۔وہ بہت ٹھہر ٹھہر کر نماز ادا کر رہا تھا۔اسکے چہرے پہ بہت سکون تھا۔وہ اسے تکتی رہی یہاں تک کہ اسے گہری نیند نے آلیا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

شمریز کی موت کو پانچ دن بیت چکے تھے۔دور شہروں سے آئے رشتے دار بھی اپنے اپنے گھروں کو سدھار چکے تھے۔آج کافی دنوں بعد دھوپ نکلی تھی۔آنٹی تو ناشتے کے بعد زوبار یہ کیطرف چلی گئیں۔جبکہ وہ علی کے بار بار کہنے پر لان میں چلی آئی اور ایک لان چیئر پہ بیٹھ گئی۔دھوپ کافی تیز تھی اسنے آنکھیں بند کر کے سر کرسی کی پشت سے ٹکا دیا۔دھوپ اسکے وجود تروات بخش رہی تھی۔

کیا سوچ رہی ہو۔علی نے جھک کر اسکی پیشانی پہ بکھرے بال ہٹائے تھے۔

کچھ نہیں سکون مل رہا ہے۔اسنے آنکھیں کھول کر کہا۔

مجھ سے باتیں کرو۔وہ کرسی گھسیٹ کر اسکے پاس بیٹھ گیا۔

آپ باتیں کریں میں سنتی ہوں۔

اوں ہوں۔۔آج تم باتیں کرو میں سنوں گا۔اس نے اسکا ہاتھ تھام لیا۔

ہم واپس کب جائینگے؟

واپس۔۔۔شاید ہم نہیں صرف میں جاؤں۔

کیوں؟

منٰی۔۔داؤد کا فون آیا تھا۔

اچھا۔۔کیا کہہ رہے تھے وہ؟

منٰی میری ٹرانسفر کے آرڈرز آگئے ہیں۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اچھا کدھر؟

شمالی وزیرستان۔اس نے جواب دیا۔

اچھا۔کب جانا ہے آپ نے؟اس نے نارمل لہجے میں پوچھا۔

جلد۔۔علی نے بغور اسکے چہرے کی جانب دیکھا۔

تمہیں میرے جانے پر کوئی اعتراض نہیں ہے منٰی؟اس نے عجیب سے لہجے میں پوچھا۔

اعتراض کیوں علی۔یہ تو بہت اعزاز کی بات ہے کہ آپکو اپنے ملک کی خاطر جنگ میں حصہ لینے کا موقع مل رہا ہے۔وہ مسکرائی تھی۔

ہو سکتا ہے میں کبھی واپس نہ آؤں منٰی۔وہ اسے بتا رہا تھا۔

تو میں ساری عمر اس بات کی سرشاری میں گزار دونگی کہ میں ایک شہید کی بیوہ ہوں۔اسکی پلکیں بھیگ رہی تھیں مگر لبوں پر مسکان تھی۔

ہو سکتا ہے کہ میں کھو جاؤں میرا کوئی سراغ ہی نہ ملے۔وہ ہر پہلو اسکے سامنے رکھ رہا تھا۔

میں ساری عمر آپکے لیئے دعائیں مانگتے بتا دونگی۔اور ہمارے بچے کا بتاؤنگی کہ اسکے بابا کتنے بہادر تھے۔اب نمی اسکی آواز میں بھی جھلکی تھی۔

ہو سکتا ہے میں ذہنی یا جسمانی طور پر ڈس ایبل ہو کر واپس آؤں۔

ساری زندگی آپکی خدمت میں گزار دونگی۔آنسو اب اسکے گالوں پہ رستہ بنا رہے تھے۔علی نے ایک گہری سانس خارج کی۔اس لڑکی کے پاس ہر سوال کا جواب تیار رہتا تھا۔

تم میرے بغیر رہ لوگی۔آنسو اب اسکی سنہری آنکھوں کے کناروں پہ بھی اترنے لگے تھے۔

آپ فزیکلی مجھ سے دور ہو بھی جائیں تو کیا۔آپکی روح تو مجھ میں بسی ہے۔آپکے وجود کا ایک حصہ میرے پاس ہے۔آپکا دل اور میرا دل ایک ہی تو ہیں۔آنسو اب اسکے چہرے سے گر کر اسکے گریبان کو بھگو رہے تھے۔علی نے بے اختیار اسکے ہاتھوں کے اپنی آنکھوں سے لگا لیا۔

منٰی ایک بات کا اعتراف آج بر ملا ہے مجھے۔وہ سر اٹھا کر رک رک کر بولا تھا۔سنہری آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔

مجھے۔۔۔تم سے۔۔محبت ہے۔وہ ایک ایک لفظ کو محسوس کر کے بولا تھا۔اسنے ایک ایک لفظ

کو محسوس کر کے سنا تھا۔

مجھے بھی۔وہ ہلکا سا مسکرائی تھی۔

منیٰ میں اب کی بار فرض کو عشق سمجھ کر نبھاؤں گا۔وہ پر عزم لہجے میں کہہ رہا تھا۔

اللہ آپکو سر خرو کرے علی۔وہ نم لہجے میں بولی۔علی دھیرے سے مسکرایا تھا۔وہ بھی مسکرا اٹھی۔نم آنکھوں کی کیساتھ مسکرانا بھی ہر کسی کو کہاں آتا ہے۔

وہ تایا اور تائی سے ملنے آیا تھا کچھ دیر بعد اسے نکلنا تھا۔امی نے اپنا باہر جانا کینسل کر کے مستقل حمنیٰ کے پاس ایبٹ آباد میں رہنے کا ہی فیصلہ کر لیا تھا اور وہ مکمل مطمئن ہو کر جا رہا تھا۔تایا اور تائی اس سے بہت محبت سے ملے تھے اور اسے بہت سی دعائیں دے ڈالی تھیں۔وہ ان سے مل کر گھر کے صدر دروازے کیطرف بڑھ ہی رہا تھا کہ عقب پہ قدموں کی چاپ ابھری۔وہ رک گیا۔وہ چاپ بہت مانوس تھی۔وہ پلٹا۔زرد لباس میں زرد دوپٹے میں لپٹی زرد سی زوباریہ اسکے سامنے تھی اسکی نیلی آنکھیں سرخ تھیں۔

ممی نے بتایا تم محاذ پہ جا رہے ہو۔وہ ہموار لہجے میں بولی۔

ہاں بس ابھی کچھ دیر میں نکلوں گا۔وہ نظر جھکائے کھڑا تھا۔

واپس کب آؤ گے۔

پتہ نہیں۔محاذ پہ جاتے تو ہم خود ہیں لیکن واپسی کا صرف اللہ کو ہی معلوم ہوتا ہے۔اس نے جواباً

کہا۔

علی! مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔

کہو سن رہا ہوں۔ وہ اس سے ذرا سا رخ موڑ کر اب سامنے گلاس ڈور کے اس پار دیکھ رہا تھا۔

علی! تمہیں کھو کر میں ایک لمحے کو بھی تمہیں نہیں بھول سکی۔ میں نے شمریز کو چاہنے کی بہت کوشش کی مگر یہ میرے لیئے ممکن ہی نہیں ہوا۔ تمہیں یاد ہے تمہیں سیدھے بال کس قدر پسند تھے تم اکثر کہتے مجھے کہ میں اپنے بال سیدھے کر والوں مگر میں تمہاری نہیں مانتی تھی مگر پچھلے دس سالوں سے میں متواتر اپنے بال سیدھے کرواتی رہتی ہوں۔ شمریز کو میرے کرلی بال پسند تھے مگر میں۔۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ان باتوں سے کیا فائدہ زوباریہ؟ اس نے اسکی بات کاٹ دی۔

تمہاری بددعائیں لگ گئیں مجھے علی۔ اسکی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے تھے۔ علی نے تڑپ کر اسکی طرف دیکھا۔

میں نے تمہیں کبھی بددعا نہیں دی زوباریہ۔ ہمیشہ دعا کی تمہارے لیئے کہ تم خوش رہو۔ وہ اسکی نیلی آنکھوں کی نمی پہ غمزدہ تھا مگر صرف غمزدہ۔۔۔ محبت کی وہ تڑپ اب اسکے دل میں نہ ابھرتی تھی۔

علی! میں حمنیٰ کو دیکھتی ہوں تو مجھے اس پہ رشک آتا ہے۔ اسکے پاس تم ہو اور تمہاری اولاد۔۔ تمہارے بعد بھی جس کے سہارے وہ زندگی گزار سکتی ہے۔ مگر میں۔ اس نے چہرہ دونوں

ہاتھوں میں چھپالیا۔ علی نے گہری سانس بھر کر رخ موڑ لیا۔ وہ چند لمحے سسکتی رہی۔

میرا دامن خالی ہے علی۔ شمریز کی کوئی نشانی بھی نہیں میرے پاس جس کے سہارے میں زندگی گزار سکوں۔ وہ ٹوٹ کر رو رہی تھی۔

علی میں نے تمہیں ٹھکرایا تو قسمت نے مجھے ہی ٹھکرا دیا۔

مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہے زوباریہ۔ ان فیکٹ میں تو تمہارا شکر گزار ہوں کیونکہ اگر تم مجھے نہ ٹھکراتی تو مجھے حمنیٰ جیسی بہترین بیوی نہ ملتی۔ تم نے تو مجھے ٹھکرا کر مجھ پہ احسان کیا ہے۔ اگر تم میری بیوی بن کر میری زندگی میں رہتی تو میں تم سے تم تک محدود ہو جاتا میرا فرض میرا عشق کبھی نہ بن پاتا۔ یہ تو حمنیٰ ہے جس نے مجھے فرض سے عشق کرنا سکھایا ہے۔ مجھے محبت لفظ کے اصل معنی سمجھائے ہیں۔ مجھے اعتبار کا وہ موسم دیا ہے جس سے خزاں کا گزر ہے ہی نہیں۔ آئم گریٹ فل ٹو یو۔ وہ مضبوط لہجے میں اپنی زندگی کا سب سے بڑا سچ زوباریہ کے سامنے بول رہا تھا۔۔ وہ اسکے سامنے سچ بولنے کا عادی تھا۔۔ زوباریہ نے بہتی آنکھوں کیساتھ علی کی طرف دیکھا۔ اس شخص کو اس نے ایکبار بڑے کروفر سے ٹھکرایا تھا۔

تم بھی زندگی کو پرامید نظروں سے دیکھو زوباریہ۔ میری دعا ہے کہ تمہیں بہت خوشیاں ملیں۔ اپنا خیال رکھنا۔ چلتا ہوں۔ اللہ حافظ۔ وہ ایک نرم سی مسکراہٹ اسکی طرف اچھال کر چل دیا تھا۔ زوباریہ اسے جاتے دیکھتی رہی تھی۔ وہ اسکی نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا۔۔

صدر ہاؤس میں سول ملٹری ایوارڈز کی شاندار تقریب جاری تھی۔ ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ اسٹیج

پہ ایک جانب بنے روسٹرم پہ ایک لڑکا اور ایک لڑکی میزبانی کے فرائض انجام دے رہے تھے۔

لیڈیز اینڈ جینٹلمین ! اب بات ہو گی قوم کے ان بیٹوں کی جنہوں نے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر وطن عزیز کے بدترین دشمنوں کو جہنم واصل کیا۔ گزشتہ برس پانچ اگست کو شوال کے علاقے میں دہشت گردی کے ایک بہت بڑے منصوبے کو ناکام بناتے ہوئے میجر داؤد نے جام شہادت نوش کیا جن کو ستارہ شجاعت سے نوازا جا چکا ہے۔اس آپریشن میں میجر داؤد کے ہمراہ میجر علی مرتضیٰ بھی تھے جنہوں نے اپنی جان پر کھیل کر انتہائی جوانمردی سے لڑتے ہوئے نہ صرف دہشتگردی کے بڑے منصوبے کو ناکام بنایا بلکہ اسکے ساتھ ساتھ ان چار دہشت گردوں کو جہنم واصل کیا جو شوال کے علاقے میں دہشت گردی کے بہت سے واقعات میں مطلوب تھے۔اس واقعے میں میجر علی مرتضیٰ نے دائیں ٹانگ اور بازو پہ گولی کھائی اور بروقت طبّی امداد نہ ملنے کے باعث انکی ٹانگ کا زخم بگڑ گیا اور ڈاکٹرز کو انکی ٹانگ کاٹنی پڑی۔ میجر علی مرتضیٰ کو انکی خدمات کے اعتراف میں صدر مملکت کی جانب سے تمغہ شجاعت سے نوازا جا رہا ہے۔اس بہادر فوجی کو قوم کا سلام۔لیڈیز اینڈ جنٹلمین اس بہادر جوان کو بھرپور تالیوں سے خراج تحسین پیش کیجیئے۔میزبان تمہید باندھ چکی تھی۔ علی بیساکھی کے سہارے اسٹیج کی طرف جا رہا تھا۔ اسٹیج سے مرد میزبان تیزی سے اتر کر اسکی طرف بڑھا اور اسے سہارا دیکر اسٹیج پہ لیجانے لگا۔ پورا ہال تالیوں سے گونجنے لگا تھا۔ہال میں دوسری رو میں بیٹھی حمنیٰ اپنی نشست سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی اسکی گود میں دو سالہ دانیال تھا۔

علی اب اسٹیج پر صدر مملکت سے تمغہ وصول کر رہا تھا۔ہال میں تالیاں گونج رہی تھیں۔ حمنیٰ

کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔

میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ علی نے تمغہ وصول کرنے کے بعد میزبان سے کہا۔

جی جی سر ضرور میزبان نے جلدی سے مائیک اسے تھمایا۔ علی کا دایاں ہاتھ کچھ لرزتا تھا۔ مگر بایاں ہاتھ بالکل ٹھیک کام کرتا تھا۔ اسنے مائیک بائیں ہاتھ میں تھام لیا۔ میزبان اسکے ساتھ ہی کھڑا تھا اسے سہارا دیئے ہوئے۔

اسلام علیکم! علی کی آواز ہال میں گونجی۔

اپنے گھر میں ٹی وی اسکرین کے سامنے بیٹھی زوباریہ ملک اور اسکے ماں باپ دم سادھے اسکرین پہ نظریں جمائے ہوئے تھے۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels | Afsana | Articles | Books | Poetry | Interviews

کہتے ہیں کہ ہر کامیاب مرد کے پیچھے ایک عورت کا ہاتھ ہوتا ہے۔ کسی نے اگر اس جملے کی عملی تفسیر کو دیکھنا ہے تو مجھے دیکھے۔۔ میجر علی مرتضیٰ کو دیکھے۔ وہ مائیک میں بول رہا تھا۔ ہال میں مکمل خاموشی تھی۔ حمنیٰ اب تک کھڑی تھی۔

میں ایک عام انسان ہوں بہت عام انسان۔ مجھے یہ اعزاز محبت نے دلوایا۔۔ محبت۔۔ جی ہاں۔۔۔ محبت جو ایک عالمگیر جذبہ ہے۔ یہ درد بھی ہے کرب بھی ہے نارسائی بھی ہے مگر اسکے ساتھ ہی ساتھ یہ ایک مضبوط بندھن ہے احساس کا اعتبار کا۔ وہ ایک لحظے کو رکا۔ حمنیٰ کی آنکھوں میں نمی تھی۔

زوباریہ ملک کے دل پہ لفظ اعتبار کسی تیر کیطرح لگا تھا۔

محبت انسان کو انسانیت کی معراج پہ پہنچاتی ہے۔اور انسانیت کی معراج یہ نہیں کہ وہ ایک وجود کی چاہت میں ساری عمر اسکے در کا فقیر ہو کر بتادے۔ محبت تو ھدایت ہے۔ محبت تو آزادی ہے۔ فکری آزادی۔۔آپ یہ سوچ رہے ہونگے کہ یہ کیسا فوجی ہے جو تمغہ شجاعت وصول کرنے کے بعد محبت پہ تقریر کر رہا ہے۔وہ ہلکا سا مسکرایا تھا۔سارے ہال میں دبی دبی ہنسی کی آواز گونجی۔

میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ حقیر بندہ جو آج آپ سب کے سامنے تمغہ شجاعت اپنے سینے پہ سجائے ہوئے کھڑا ہے یہ بندہ بہت بزدل تھا۔اسکو بہادری محبت نے عطا کی۔وہ محبت جو روحوں کے اتصال کا نام ہے۔وہ محبت جو میری بیوی نے مجھ سے کی ہے میں نے اپنی بیوی سے کی ہے۔وہ ایک لحظے کو رکا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

زوبار یہ ملک کی آنکھوں سے قطرہ قطرہ پچھتاوا بہنے لگا تھا۔

میری بیوی نے مجھے فرض سے عشق کرنا سکھایا۔میں یہ تمغہ شجاعت اپنی بیوی کے نام کرتا ہوں۔ حمنیٰ یہ تم ڈیزرو کرتی ہو۔اس نے حمنیٰ کے طرف ہاتھ ہلایا تھا کیمرہ مین نے کیمرہ حمنیٰ کیجانب موڑا۔اسکرین پہ اسکا آنسوؤں سے تر مسکراتا چہرا ابھرا تھا اور اسکی گود میں ہمکتا ہوا دوسالہ دانیال۔

زوبار یہ ملک اور اسکے ماں باپ کے چہروں پہ درد تھا حسرت تھی پچھتاوا تھا۔۔

مسز علی آپ پلیز اسٹیج پہ تشریف لائیے۔میزبان نے مائیک میں کہا تو وہ دانیال کو گود میں سنبھالے اسٹیج کی سیڑھیاں طے کرنے لگی۔ہال ایکبار پھر تالیوں سے گونجنے لگا تھا۔

زوباریہ ملک نے بہتے آنسوؤں کیساتھ اپنی لاحاصل خواہشات کا حاصل دیکھا۔وہ خالی دامن تھی۔

حمنیٰ اب علی کے برابر آ کھڑی ہوئی تھی۔ایک پرفیکٹ کپل۔علی نے اپنا میڈل اپنے لرزتے ہوئے دائیں ہاتھ سے حمنیٰ کے گلے میں پہنا دیا۔ہال تالیوں سے گونج اٹھا تھا۔وہ دونوں مسکرا رہے تھے۔

اور ٹی وک اسکرین کے سامنے بیٹھی زوباریہ کو آج یہ سمجھ میں آیا تھا کہ رب نے اسکی قسمت میں ایک فوجی کی بیوی بننے کی سعادت رکھی تھی مگر اس نے اس سعادت کو خود اپنے ہاتھوں سے کھو دیا تھا۔وہ دھندلائی آنکھوں سے ٹی وی اسکرین کی جانب دیکھ رہی تھی جہاں علی اور حمنیٰ ساتھ ساتھ اسٹیج سے اترتے نظر آ رہے تھے علی کا وجود ادھورا ہو چکا تھا مگر اسکی زندگی کتنی مکمل تھی۔زوباریہ نے ٹی وی بند کر دیا اور اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی آئی سامنے ہی لگے قد آدم آئینے میں اسکو اپنا عکس دکھائی دیا تھا۔اسکا حسن آج بھی مکمل تھا بے داغ تھا۔اس نے رخ موڑ لیا۔مکمل حسن ادھوری قسمت اور پورا پچھتاوا۔۔زوباریہ ملک کی زندگی کی بس یہی داستان تھی۔

♥ختم شدہ♥

ہماری ویب میں شایع ہونے والے ناولز کے تمام جملہ و حقوق بمعہ مصنفہ کے نام محفوظ ہیں۔

ہمیں اپنی ویب نیو ایرا میگزین (New Era Magazine) کیلئے لکھاریوں کی ضرورت ہے۔ اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، آرٹیکل، شاعری، پوسٹ کروانا چاہیں تو اردو میں ٹائپ کر کے مندرجہ ذیل ذرائع کا استعمال کرتے ہوئے ہمیں بھیج سکتے ہیں۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

(Neramag@gmail.com)

(انشااللہ آپ کی تحریر ایک ہفتے کے اندر اندر ویب پر پوسٹ کر دی جائے گی۔ مزید تفصیلات کیلئے اوپر دیئے گئے رابطے کے ذرائع کا استعمال کر سکتے ہیں۔

شکریہ ادارہ: نیو ایرا میگزین